"الدر الثمین"
پر
ایک نظر
ابو تمکین افتخار احمد

"الدرّ الثمین"

پر

ایک نظر

ابو تمکین افتخار احمد

مطبوعات جاوید

۲۷/۴ بہار کالونی۔ کلیٹن روڈ۔ کراچی ۵

کتاب ملنے کے پتے

مکتبۂ ایوانِ اشاعت — آرام باغ روڈ۔ کراچی

مکتبۂ چراغِ راہ — " " "

مکتبۂ جہانِ نو — ملیر سٹی۔ کراچی (پاکستان)

مطبوعہ

ناظر پرنٹنگ پریس

کراچی

قیمت .... عہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ مجموعۂ تنقیدات دراصل ایک طرح کی یادداشت ہے جسے حضرۃ العلامہ مولانا تمنا عمادی مجیبی کی تصنیف الدر الثمین لملک الیمین کے اثنائے مطالعہ میں قلمبند کرتا گیا تھا تا کہ کسی فرصت کے موقعہ پر حضرۃ مصنف مدظلہم کے سامنے اپنے یہ شبہات رکھ کر تشفی کر لوں گا، یا ممکن ہے مولانا کی نگاہ میں میری یہ تنقیدیں درست ثابت ہوں تو وہ اپنے خیالات سے رجوع فرمالیں گے۔ لیکن تحریر کے آخری مراحل پر چند رفقا نے مشورہ دیا کہ مولانائے ممدوح کا رسالۂ مذکور خدا جانے کتنے ہاتھوں تک پہونچا ہوگا، اور نہ جانے کتنے اذہان و قلوب شک و شبہ اور تذبذب کے آماجگاہ بن گئے ہوں گے، اس لئے ان حضرات کے سامنے اصل حقیقت اور یہ تنقیحات آ جانی چاہئیں تا کہ وہ تصویر کے دونوں رُخ دیکھ لیں، نیز ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب اس رسالہ پر غور و خوض کر رہے ہوں تو ان کے لئے یہ تنقیدات ممد و معاون بن سکیں، اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اب تک بالغ النظر اور مسلم الثبوت علماء و فضلاء رسالۂ مذکور کی تردید یا اس پر تبصرہ کی جانب سے خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں، اُن کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اظہار حق و صداقت کا تقاضا یہ ہے کہ رسالے کے مغالطے عریاں کر دیے جائیں اس طرح اس فرض کفایہ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ آجکل بالعموم لوگوں کے ذہن و دماغ ایک فریق کی خاموشی کو فریق ثانی کے اقوال کی قوت اور ان کے ناقابل شکست ہونے پر محمول کرنے لگتے ہیں، پھر یہ کہ مصنف نے اپنے رسالہ کے "انتباہ" میں خود تنقید و تنقیح کی دعوت عام دی ہے، ان وجوہ سے یہی مناسب ہے کہ ان تنقیدات کو منظرِ عام پر لایا جائے۔

چنانچہ ان مشوروں کے بعد میں نے اشاعت کا فیصلہ کیا مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ ایک ایسی مستقل تصنیف کی جائے جو اسلام میں غلامی کے موضوع پر ہو اور جسکے مباحث کا ایک جزو اپنی مملوکہ سے استمتاع کا مسئلہ ہو اور وہاں ان تنقیدات کو تالیفی انداز سے مرتب کرکے منسلک کر دیا جائے، اس لئے فوری اشاعت ملتوی کر دی گئی۔

یہ ۱۹۴۷ء کی دوسری سہ ماہی کا تذکرہ ہے، اس تحریری یادداشت کی سیاہی بھی گویا خشک نہ ہونے پائی تھی کہ ہمارے فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور ملکی حالات ایک طوفانی دور سے گزرنے لگے، تا آنکہ تقسیم ملک کا اعلان ہوا، ناساعد اور مخدوش حالات سے مجبور ہو کر بے سروسامانی کے عالم میں ہمیں مغربی پاکستان کا رخ کرنا پڑا اور اسکے کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا تمنا صاحب مشرقی پاکستان منتقل ہو گئے، زمین و آسمان بدل گئے، انقلابات اور مخالف گردو پیش نے دو تین برسوں تک تو تنازع للبقاء میں گرفتار رکھا، حوادث اور دردناکیوں کا جب زور کچھ کم ہوا تو اپنی اُن ساری کتابوں اور ضروری مسودات کی فکر ہوئی جنھیں متروکہ وطن میں چھوڑتے ہوئے فی امان اللہ کہہ کر یہاں کے لئے چل پڑا تھا، بحمد اللہ کہ ۱۹۵۱ء کے اواخر میں ساری کتابیں کراچی آگئیں، لیکن گوناگوں اُلجھنوں سے ہنوز گلو خلاصی نہ ہو سکی ہے اور نہ مستقبل قریب میں اس کی کچھ توقع ہے، نیز اسلام میں غلامی کے موضوع پر بعض علمائے عصر کی محققانہ[1] تحریریں سامنے آجانے کے بعد اب مزید لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس لئے

---

[1] مثلاً مولانا سعید احمد ایم، اے کی الرق فی الاسلام، اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیمات ج۲، الجہاد فی الاسلام اور تفہیم القرآن جلد اول میں اس موضوع سے متعلق مضامین۔

نہ صرف یہ کہ محولہ بالا موضوع پر کسی تصنیف کا ارادہ ترک کرتے ہوئے تنقیدوں کی یہ یادداشت زیر طبع لائی جا رہی ہیں بلکہ کثرت مشاغل اور ہجوم افکار کے سبب ان پر نظر ثانی بھی نہ کی جا سکی ہے، اور جب نظر ثانی تک کی مہلت نہیں تو اسے تالیفی انداز سے مرتب کرنے کی فرصت کہاں سے لاؤں۔ خدا کرے کہ بعض رفقاء نے جن اسباب و فوائد کے پیش نظر اسکی اشاعت کے مشورے دیئے تھے، وہ اس سے پورے ہو جائیں۔

بسلسلۂ تنقید رسالۂ الدر الثمین لملک الیمین کے عنوانات کی ترتیب باقی رکھنے میں دشواریاں تھیں کیونکہ رسالۂ مذکور کی تضاد بیانیوں کی نشاندہی اور بعض مقامات پر ایراد و نقض کی خاطر صفحات و مضامین کی تقدیم و تاخیر ہی سے وضاحت ہوتی تھی، بایں سبب یہ صورت کی گئی ہے کہ رسالۂ مذکور کی بعینہٖ عبارات حشو و زوائد اور مترادفات حذف کرکے مع حوالۂ صفحہ پہلے د (یعنی الدر الثمین) کے تحت لکھدی گئی ہیں، پھر ت (تنقید) لکھ کر اسپر بحث کی گئی ہے، اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ الدر الثمین لملک الیمین، جن لوگوں کے سامنے نہیں ہے انھیں بھی کسی قسم کی دقت نہ ہو
واوین (INVERTED COMAS) کے درمیان جتنی عبارتیں اثنائے بحث میں مرقوم ہیں، سب بعینہٖ و بلفظہٖ الدر الثمین لملک الیمین کی ہیں۔

کراچی
یکم دسمبر ۱۹۵۲ء

ابو تمکین افتخار احمد

الدر الثمین لملک الیمین کے چند خاص دعوے جو پیش نظر رکھ لینے چاہئیں تاکہ تنقیدی اہم مباحث کے سمجھنے میں مزید سہولت ہو

۱۔ لونڈی غلام محض اپنے زر فدیہ میں آقا کے پاس گرو ہوتے ہیں، آقا کو جب زر فدیہ ملے تو اس پر فرض ہے کہ انھیں آزاد کر دے، انھیں ہر طرح کی اقتصادی، معاشی اور اخلاقی پوری آزادی حاصل ہو، وہ تجارت صنعت وحرفت وغیرہ کے ذریعہ دولت جمع کر سکتے ہیں اپنا گھر خود بنا سکتے ہیں، اپنے کھانے پینے کا خود انتظام کر سکتے ہیں، وہ صاحب مال و صاحب ثروت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء .... او ما ملکت ایمانکم (سورۂ نساء) اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کے لئے "نص صریح" ہے۔

۳۔ اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانا حرام قطعی ہے اور جاہلیت کی مسافحانہ رسم، ان سے بلا نکاح استمتاع بغا و زنا ہے جس سے ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء الآیہ (سورۂ نور) فرما کر اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

۴۔ لونڈیوں سے نفس نکاح ہی اُن کی آزادی کا پروانہ ہے ــــــ آقا خود نکاح کرے تو ظاہر ہے کہ آقا اُسے زر مہر دینا اور لونڈی کے ذمہ زر فدیہ باقی ہے، لہٰذا اس کا اس کے ذمہ باقی اور اس کا اس کے ذمہ واجب الادا، دونوں "حساب دوستاں در دل" کر لیں گے اور اب وہ زر فدیہ میں گرو نہ رہی بلکہ آزاد محصنہ زوج ہو گئی اور دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دینے کی صورت میں اُس کو جو زر مہر ملے گا وہ اُسے زر فدیہ بنا کر آقا کے حوالے کر دے گی اور اپنے شوہر کی آزاد محصنہ زوج ہو گی۔ اگر آقا نے مہر مؤجل پر اس کا نکاح کسی سے کر دیا ہو تو بھی وہ آزاد ہو جائے گی، کیونکہ یہ قصور آقا کا ہے کہ اسنے مہر مؤجل پر اس کا نکاح کیوں کیا، اُس غریب کی آزادی کیوں

رکی رہے گی۔ غرض ادھر نکاح ہوا ادھر وہ آزاد ہو گئی، اس میں اور کسی آزاد محصنہ زوج میں شرعاً وحقیقۃً کوئی فرق نہیں، دونوں کے حقوق بالکل یکساں ہیں۔ فرق کرنا انسانی مساوات کا خون کرنا ہے۔

۵۔ اپنی ملک یمین سے نکاح کرنے کے لئے نہ کسی سے اجازت کی ضرورت ہے نہ زر مہر کے تعیین کی حاجت اور نہ اسی ادا کی ضرورت صرف اس لونڈی کو اطلاع و اعلان کی ضرورت ہے اور بس، ہاں، اگر وہ مکاتبت کی درخواست کر دے تو پھر اس کو فراش بنانا جائز نہیں، یہی اطلاع و اعلان اپنی ملک یمین سے نکاح ہے۔

۶۔ مملوکہ سے نکاح کرنے میں تحدید ضروری نہیں، حرائر اور آزاد عورتوں سے نکاح کے لئے چار کی حد بندی ہے، لیکن لونڈی سے نکاح کرنے میں کوئی تعداد مقرر نہیں عام ازیں کہ اپنی لونڈیوں سے نکاح کیا جائے یا کسی دوسرے کی لونڈیاں زیر نکاح لائی جائیں، کسی صورت میں چار کی حد بندی نہیں ہے جتنی لونڈیوں کو چاہے زیر نکاح رکھ سکتا ہے۔

۷۔ سورۂ مومنون کی آیت والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم میں ما ملکت ایمانھم کا مجازی معنی مراد ہے، یعنی وہ لونڈیاں جو کسی زمانہ میں مملوکہ رہ چکی ہیں، اگرچہ اس وقت تو وہ شرعاً وحقیقتاً ازواج آزاد محصنہ ہی ہیں اور عام ازواج کی طرح حرائر، چونکہ قرآن عرب کی مروجہ زبان پر نازل ہوا ہے اور عرف عام میں ان منکوحہ آزاد محصنہ ازواج کو باعتبار زمانہ ماضی کے ملک یمین کہا جاتا تھا اسلئے اگرچہ ازواجھم کے بعد شرعاً وحقیقتاً ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی مگر اس عرف عام کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن نے ازواجھم کے بعد او ما ملکت ایمانھم ارشاد فرمایا اور اس اصطلاح کو باقی رکھا۔ ولا مناقشۃ فی الاصطلاح۔

باسمہٖ تعالیٰ و ھو المستعان

۵:- ملک یمین کی اصطلاح کہا جاتا ہے کہ ہر چیز داہنے ہاتھ سے خریدی جاتی ہے میدان جنگ میں بھی داہنے ہاتھ سے قتال کیا جاتا ہے یہ لونڈی غلام بھی خرید کر حاصل کئے جائیں یا جہاد میں بطور مال غنیمت کے حاصل ہوں، داہنے ہی ہاتھ کی کمائی ہیں اسلئے انکو ملک یمین یا ما ملکت ایمانکم کہتے ہیں، حالانکہ یہ محض لغو اور بالکل بے بنیاد ہے، دنیا میں ہزاروں چیزیں (اونٹ، بکری، گائے وغیرہ) خریدی جاتی ہیں مگر کسی کو بھی ملک یمین نہیں کہتے، اگر قیاس مذکورہ بالا صحیح ہوتا تو ہر خریدی ہوئی چیز اور مال غنیمت کو ملک یمین کہتے۔ ما ملکتم مفاتحہٗ درحقیقت ملک یمین یا ما ملکت ایمانکم کے معنی ہیں ما ملکتم مفاتحہٗ، قرآن میں ہے ولا علیٰ انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم........ او ما ملکتم مفاتحہٗ او صدیقکم (سورہ نور)......... ملک کے معنی اختیار و قابو کے آتے ہیں......... یہاں بھی اختیار ہی کا مفہوم مراد ہے۔ مفاتح مَفتح (بفتح المیم) کی جمع ہے جو ظرف ہے مگر مصدر کے معنی میں بہت مستعمل ہے......... الفتح کے معنی ہیں کشادن، کشایش، یہاں بھی مفتح (بالفتح) کے معنی کشاکش ہی کے ہیں یعنی وہ شخص جس کی کشاکش کا اختیار تم کو حاصل ہو..... اسی و ثاقی کی کشاکش، جس کا شد آپ کئے ہوئے ہیں...... ...... بعضوں نے مفاتح کو مفتاح کی جمع بتایا ہے حالانکہ مفتاح کی جمع مفاتیح آتی ہے، اسی طرح مفتح (بکسر المیم) کی جمع بھی

مفاتیح ہی آتی ہے، مفاتح کبھی مفتاح یا مِفتح (بالکسر) کی جمع نہیں ہو سکتی کہ اسکے معنی کنجی کے ہوں مگر عربیت سے نابلد بعض عجمیوں نے ایک روایت گڑھ لی........... مگر جو لوگ عربیت سے باخبر تھے وہ اس کی رکاکت کو سمجھے کہ مفاتح تو کنجیوں کے معنی میں آہی نہیں سکتا، اس لئے سمجھا کہ مَفتح (بالفتح) خزانے کے معنی میں مجازاً آتا ہے جیسے........ ما ان مفاتحہٗ لتنوء بالعصبۃ (سورۂ قصص) اسلئے کنجیاں نہیں بلکہ وہ لوگ سفر کے وقت اپنے خزانے جن لوگوں کے پاس امانت رکھ دیتے تھے، ان لوگوں کو کہا گیا ہے کہ تم جنکے خزانوں کے مالک ہو ان کے گھروں سے کھا سکتے ہو مگر صاحب عقل سلیم ادنیٰ تامل سے اس روایت کی بھی لغویت کو سمجھ سکتا ہے جس شخص کے گھر میں خود کچھ لوگ ہوں گے وہ پڑوس کو یا کسی گھر سے باہر والے کو اپنے گھر کی کنجی یا خزانہ کیوں رکھنے کے لئے دینے لگا، کیا اسکے گھر کے لوگ اسکے نزدیک باہر والوں کے برابر بھی قابل اعتماد نہیں؟........ پھر اگر کوئی شخص کسی کو اپنی کنجی یا خزانہ امانت رکھنے کے لئے دے تو کیا وہ امین اس کنجی یا خزانے کا مالک ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں.

.... الخ (صفحہ ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳)۔

ت:- کیا وجہ تسمیہ میں جامعیت و مانعیت شرط ہے؟ حتیٰ کہ ہر خریدی ہوئی شئے اور ہر مقبوض کو ملک یمین کہنا ضروری ہو۔ اگر یہی بات ہے کہ ہر خریدی ہوئی چیز اور ہر مال غنیمت پر ملک یمین کا اطلاق نہیں ہوتا درانحالیکہ قبضۂ ایمان صادق آرہا ہے اسلئے لونڈی غلام کو ملک یمین کہنا درست نہیں، تو جن کا اطلاق بھی انھیں مخصوص مخلوقات پر نہ ہونا چاہئے کیونکہ صرف وہی آنکھوں سے مستور ہیں

نہیں، فرشتوں بلکہ واجب تعالیٰ کو بھی جن کہنا چاہیئے نیز اگر کسی چیز پر کسی لفظ کے اطلاق کرنے کے لئے ادنیٰ مناسبت کافی نہیں بلکہ من کل الوجوہ جمعاً ومنعاً اس لفظ کا صدق ضروری ہے تو جس معنی کی رو سے لونڈی غلام کو ما ملکتم مفاتحہٗ کا مصداق بنایا گیا ہے وہ خود اس اصول کی رو سے "محض لغو اور بالکل بے بنیاد" ہوا جا رہا ہے کیونکہ صرف اسی وثاق کا شد اور صرف اسی شد کے فتح وکشا کش کا اختیار تو ہمیں حاصل نہیں بلکہ اس کے ماورا اور بھی ہزاروں بندشیں ہمارے قبضہ واختیار میں ہیں اور ان سب کے کھولنے پر ہمیں قابو حاصل ہے گائے بیل، بھینس کے گلے میں بھی رسی ڈال کر ہم باندھے ہوئے ہیں اور اس شد کے فتح وکشا کش کا بھی ہمیں اختیار ہے لہذا یہ چوپائے بھی ما ملکتم مفاتحہٗ کی صف میں آئے جاتے ہیں کیونکہ ان مشدود الوثاق جانوروں کی کشا کش کا بھی ہمیں اختیار حاصل ہے لہذا عام کو خاص کرنے کی دلیل چاہیئے اور ہمیں امید ہے کہ جو دلیل پیش کی جائے گی وہ ملک یمین کی "محض لغو اور بالکل بے بنیاد" وجہ تسمیہ کو معقول بنانے اور بانیاد ثابت کرنے کے لئے کافی ہو گی۔

تحریر فرمایا گیا ہے کہ "مفاتح مفتاح یا مفتح (بالکسر) کی جمع ہو ہی نہیں سکتی" اور یہ کہ "مفتح (بالکسر) کی جمع مفاتیح ہی آتی ہے" اور مفاتح تو کنجیوں کے معنی میں آتا ہی نہیں، یہ حصر اور یہ دعویٰ لغت سے تعلق نہ رکھتا اور زبان وادب کو دخل نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ مفسرین پر الزامات کی بوچھار کے جواز کی صورت نکل آتی، مگر یہ زبان وعربیت اور استعمالات کا معاملہ، زمخشری، فراء لغوی اور شوکانی جیسے مسلم الثبوت ادبا وماہرین فن کا خلاف لغت واستعمال معنی تحریر کر جانا بعید تر ہے، کشاف، بیضاوی، خفاجی، بغوی، فتح القدیر، بحر الرائق، سراج منیر، ابو مسعود، شیخ زادہ اور روح المعانی والبیان غرض جتنی تفاسیر ہیں سب متفق علیہ

ہو کر بزبان حال تصریح کر رہی ہیں کہ المفاتح جمع مفتح بالکسر وھو ما یفتح بہ اچھا تسلیم کیا اور بفرض محال مانا کہ یہ سارے مفسرین "عربیت سے نابلد" تھے اور محض "اپنے مزعومات واباطیل فاسدہ" کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مفاتح کے معنی کنجیوں کے لکھ دیئے اور لغت میں اس کے معنی کنجیوں کے آتے ہی نہیں تو ایسے حضرات جو ائمہ فن لغت ہیں اور الفاظ عربیہ کی تحقیق کے واسطے انھیں کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، اُن کی تصریحات ملاحظہ ہوں:۔

والمفتح بکسر المیم والمفتاح مفتاح الباب وکل ما فتح بہ الشئ، قال الجوھری وکل مستغلق والجمع مفاتیح ومفاتح ایضًا قال الاخفش ھو مثل قولھم امانی وامانی یخفف ویشدد (لسان العرب)

والمفتاح کالمفتح والجمع مفاتیح ومفاتح ایضًا......وھو فی الاصل مما یتوسل بہ الی استخراج المغلقات التی یتعذر الوصول الیھا (تاج العروس) ———— اور یہاں ذرا اس کے کالمفتح پر نظر غائر ڈالی جائے، یعنی مفتاح سمجھانے کے لئے مفتح ذکر کیا۔

اوتیت مفاتیح الکلم وفی روایۃ مفاتح الکلم ھما جمع مفتاح ومفتح (نہایہ لابن اثیر)

المفتح والمفتاح ما یفتح بہ وجمعہٗ مفاتح ومفاتیح (راغب)

المفتح والمفتاح آلۃ الفتح (دائرۃ المعارف ج ۷)

ان کے بعد اب منجد اور اقرب الموارد کی چنداں ضرورت نہیں، پھر بھی ملاحظہ

فرما سکتے ہیں، ان ہیں بہی بلے گا، غرض تمام ائمۂ فن لغت کی متفقہ تصریحات سے
معلوم ہوگیا کہ مفاتح کنجیوں کے معنی میں آتا ہے اور تاج العروس نے تو مِفتح
(بالکسر) کو "مشتبہ" بتا کر معنی مذکور کے شائع و ذائع ہونے پر مہر ثبت کردی ہے، یہ
یہ تصریحات کہ مفتاح کی جمع جس طرح مفاتیح آتی ہے اسی طرح مفاتح بھی آتی
ہے اس امر پر دال ہیں کہ کسی مفسر نے اگر اس موقع پر اسے مفتاح کی جمع لکھی ہے
تو مطابق لغت تحریر کیا ہے۔ پس یہ تحریر کہ "مفاتح کا کنجیوں کے معنی میں ذکر کرنا
عربیت سے بے خبری ہے اور عربیت سے نابلد حضرت نے اسکے معنی کنجی کے بتائے
ہیں اور مفاتح مفتح (بالکسر) کی جمع ہو ہی (بایں حصر) نہیں سکتی"، صاحب
لسان العرب و صاحب تاج العروس وغیرہما جیسے ائمۂ فن لغت اور مسلم الثبوت
واقفین لغات زبان عربی کی تصریحات کی روشنی میں کہاں تک صحیح ہے،
میں نہیں سمجھ سکتا اور بلا دلیل و بلا شاہد و بغیر نقل سماع اس طرح کے غریق حصر
دعوے کہاں تک ایک ہندی محقق کو زیب دیتے ہیں؟

اور ہاں، خزائن کے معنی میں مجازاً استعمال کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں
تو یہ مجاز آخر پھوٹا کس حقیقت سے؟ اسکا حقیقی و وضعی معنی کیا ہے؟ ملاحظہ ہو

مجمع البحار ج ۲:-

.... ولبعض مفاتح جمع مفتح بفتح المیم والمراد
ما یتوصل الی المغیبات المحیط علمہ بہا، مستعار
من جمع مِفتح بالکسر و ھو المفتاح

یہ نہیں کہا کہ مستعار من جمع مَفتح و ھو الفتح۔

اور پھر یہ ایک نہایت باریک نکتہ ہے جو ماہرین فن سے پوشیدہ نہیں
کہ اگر یہاں مفاتح مصدر (الفتح) کے معنی میں ہوتا تو ما ملکتم مفاتحہٗ نہ کہا جاتا

کیونکہ المصادر لا تثنی ولا تجمع، بلکہ ما ملکتم مفتحہ ہوتا، بالخصوص اسکے
بعد ہی صدیقکم کا واحد لانا غمازی کر رہا ہے کہ مفاتح سے معنی مصدری مراد
ہوتا تو وہ بھی واحد ہی (مَفتح) ہوتا کہ جس طرح صدیق کا چونکہ واحد و جمع
دونوں پر مساویانہ اطلاق ہوتا ہے اور اس لئے "اباءکم" کی طرح "اصدقائکم"
نہیں کہا گیا، اسی طرح چونکہ واحد و کثیر سب پر مصادر کا علی التساوی اطلاق ہوتا
ہے بایں سبب مفاتح بمعنی المصدر ہوتا تو یقیناً مَفتحہٗ ہوتا کیونکہ مصادر کی
جمعیت اختلاف انواع کے افادہ کے لئے اختیار کی جاتی ہے اور یہاں
جو کشاکش سمجھی جا رہی ہے وہ لے دے کر آزادی میں منحصر ہے۔

روایت کے "لغو ہونے" اور خزانے کے معنی میں نہ لئے جا سکنے
کی یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی کہ گھر والوں کے ہوتے کنجیاں یا خزانے دوسروں
کو رکھنے کے لئے کیوں دے گا۔ قرآن جس طرح ایسے خاندان کے لئے شمع ہدایت
ہے جس کے تمام اراکین صدوق، قابل اعتماد اور کالبنیان المرصوص ہیں اسی طرح
ایسے گھر والوں کے واسطے بھی چراغ راہ ہے جس گھر کے افراد نا قابل اعتبار اور
خائن ہیں، نیز آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہے کہ اعزہ و اقارب کی موجودگی کے
باوصف کنجیاں یا خزانے دوسروں کے پاس رکھے جاتے ہیں۔ الاقارب
کالعقارب مشہور بھی ہے، اور یہ صورت کچھ محال تو ہے نہیں، یہ کوئی ضروری
بھی نہیں کہ ہر شخص کے اعزہ و اقارب ہر وقت موجود بھی ہوں، یہ بھی بخوبی ممکن
ہے کہ ایک شخص کے مکان میں صرف نابالغ و ناسمجھ لڑکے ہوں یا صرف عورتیں
ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کا کوئی عزیز و رشتہ دار ہی نہ ہو، غرض روایت
کے "لغو" ہونے کی ذکر کردہ دلیل اتنی سطحی اور اس قدر پوچ ہے کہ انسان کو
ہنسی آ جاتی ہے اور عقل سلیم سے اپیل محض شاعری ہے اور کچھ نہیں ——

اسی سلسلہ میں جو یہ تحریر فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اگر خالی گھر بند کر کے سفر میں گئے تو پھر ان کے گھر جا کر کھانے کے کیا معنی؟
ہاں ہو سکتا ہے کہ ان خالی گھروں سے کوئی چیز آٹا وغیرہ نکال کر لائیں
تو یہ ان کے گھر کھانا نہیں کہا جائے گا بلکہ ان کی چیزوں کو اپنے مصرف
میں لانا کہا جائے گا۔" ص۱۳

برفت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟ کیا اجازت کا یہ مطلب ہے کہ انکے گھر ہی میں بیٹھ کر کھایا جائے؟ اور کیا اذن کا انحصار صرف اسی صورت میں ہے؟ کیا باپ دادا وغیرہ کے یہاں سے کچھ لائیں یا بھائی بہن کے باغوں سے بمحض استحقاق قرابت و خلوص و محبت کی بنا پر بے تکلفانہ "پھل توڑ کر لائیں اور اپنے یہاں بیٹھ کر کھائیں تو حرام ہو جائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ من بیوت الخ لایا گیا ہے نہ کہ فی بیوت یعنی ان گھروں سے حاصل کردہ چیزیں تم کھا سکتے اور اپنے مصرف میں لا سکتے ہو۔ عام اذن کر دیں بیٹھ کر کھاؤ یا جہاں تمھارا دل چاہے، یہ ایک لطیف اور باریک نکتہ ہے ——— اچھا صاحب! مان لیا کہ ان کے گھروں ہی میں بیٹھ کر کھانے پر ہم مجبور ہیں، تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آٹا وغیرہ لیکر وہیں پکائیں اور وہیں کھائیں، اب تو ان کے گھر کھانا ہوا؟

امین اس کنجی یا خزانے کا مالک تو یقیناً نہیں ہوتا لیکن کیا آقا لونڈی و غلام کا مالک ہوتا ہے؟ وہ سب تو آپ کے نزدیک (محض) بعوض زر فدیہ[1] گرو

ہیں اور ظاہر ہے کہ شئ مرہون کا وہ انسان مالک نہیں بن جاتا جس کے پاس وہ چیز گرو ہے، دوسرے لفظوں میں وہ امین ہی ہوتا ہے، فرق صرف اسقدر ہے کہ شئ مرہون کی واپسی کے واسطے کچھ دینا پڑتا ہے، اور عام امانت کے لئے ایسا نہیں ہے، ورنہ نفس امانت میں دونوں برابر ہیں، لہذا حقیقتاً تو ہم کو مالیک کی کشائش کا بھی وہ اختیار تام حاصل نہیں جو تملیک کے لئے ضروری ہے اس لئے کہ اگر لونڈی، غلام کی جانب سے زر فدیہ پیش کر دیا جائے تو تحقیق آنجناب کشائش ہم پر فرض[2] و واجب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اختیار و تملیک کا تقاضا یہ تھا کہ کشائش محض ہماری خواہش و رضا پر موقوف رہتی۔ پس جس طرح مفاتح معنی کشائش لیکر ملک بمعنی اختیار و قابو من وجہ ہوگا، اسی طرح امین مفاتح، کنز کو مالک و مختار کہا جا سکتا ہے، اسی چیز کو صاحب کشاف نے صاف کیا ہے کہ:۔

امو ال الرجل اذا کان لہ علیہا قیم و وکیل
بحفظہا، لہ ان یاکل من ثمر بستانہ ویشرب
من لبن ماشیتہ، وملک المفاتح کونہا فی یدہ
وحفظہ ——— بیضاوی فرماتے ہیں:۔
ما یکون تحت ایدیکم وتصرفکم من ضیعۃ
وماشیۃ وکالۃ وحفظاً۔

[حی]رت ہے کہ بموقع اعتراض یہ فرمایا جائے کہ "امین اس کنجی یا خزانے کا مالک [ہ]و جائے گا؟" ——— اور اپنی تفسیر کے وقت یہ ارشاد ہو کہ "ملک کے معنی

---

[1] ملاحظہ ہو السدرالثمین لملک الیمین صفحہ ۳۲ سطر ۲۲:۔ کوئی مملوک یعنی بھی مملوک تام نہیں بلکہ صرف اپنے زر فدیہ میں گرو ہے"

[2] ملاحظہ ہو السدرالثمین صفحہ ۵ منہیہ:۔ .... اگر فدیہ لیکر ان قیدیوں کی قوم [کو دینی ہو]تی تو سفارش کی ضرورت نہ تھی۔ چھوڑ دینا ہی پڑتا۔

اختیار (قابو کے آتے ہیں، یہاں بھی یہی مفہوم مراد ہے۔ "کنجیوں یا خزانے کے معنی لینے کی صورت میں ملک سے اختیار و قابو کا مفہوم مراد نہ لئے جاسکنے کی کیا وجہ ہے؟

ان تمام باتوں کے علاوہ سب سے بڑھ کر یہ چیز ناقابل فہم ہے کہ لونڈی غلام کو ملک یمین کہنے کی وجہ تسمیہ و اطلاق کے سلسلہ میں یہ مفاتح کیسے کود پڑا؟ تسلیم کیا کہ ما ملکتم مفاتحہ سے مراد ممالیک ہیں اور چونکہ ان کی کشائش کا اختیار حاصل ہے اس وجہ سے انھیں ما ملکتم مفاتحہٗ کہا گیا مگر ظاہر ہے کہ یمین اور مَفتح (بالفتح بمعنی کشادن) ہم معنی تو نہیں ہے حتی کہ ما ملکتم مفاتحہ کی وجہ صدق چسپاں ہو جائے ما ملکت ایمانکم کہنے کی وجہ پر۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ انسان کو انسان کیوں کہتے ہیں؟ اور جواب دیا جائے کہ چونکہ یہ حضرت آدم کی نسل سے ہیں اس لئے انھیں ان کی طرف منسوب کرکے آدمی کہا جاتا ہے اسلئے درحقیقت انسان کے معنی ہیں آدمی ——— تو یہ جواب کتنا مضحکہ خیز ہوگا؟ حالانکہ آدمی کہنے کی وجہ واقع کی روسے بالکل صحیح ہے، مگر یہ انسان کہنے کی وجہ تو نہیں بن سکتی؟ کیونکہ انسان اور آدم معناً مرادف الفاظ نہیں، اسی طرح ما ملکتم مفاتحہٗ کی وجہ تسمیہ و اطلاق (اختیار کشائش) چاہے نفس الامر میں صحیح ہو، مگر یہ وجہ ملک یمین کہنے کی نہ بنے گی، بلکہ وہ ایسی ہونی چاہئے جو ملک (اختیار، قابو، ملکیت) اور یمین (دست راست) کے لغوی معنی کے مناسب ہو، اور ظاہر ہے کہ یمین اور مَفتح (بالفتح) مرادف الفاظ نہیں۔

ہاں ایک توجیہ ہوسکتی ہے وہ یہ کہ لونڈی غلام کو ما ملکتم مفاتحہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کی کشائش ہمارے اختیار و قابو میں ہے اور بالعموم سارے کام داہنے ہاتھ سے ہوتے ہیں اس لئے کسی شئے کی کشائش بھی چونکہ داہنے ہاتھ سے ہوتی ہے بایں سبب انھیں ملک یمین کہتے ہیں یعنی مفاتحہ

حذف کر دیا گیا ہے، ورنہ اصل میں یوں تھا ما ملکت ایمانکم مفاتحہٗ ——— لیکن علاوہ اس کے کہ یہ توجیہ اسی قبیل کی ہوگی جس طرح کسی نے خاک کے معنی گوشت بتایا تھا، بایں طور کہ خاک کا عکس کاخ اور کاخ کے معنی محل، محل کا الٹا لحم اور لحم معنی گوشت لہذا خاک معنی گوشت۔ اس توجیہ کی وجہ بطلان ہر پھیر کر وہی ہو جائے گی جو ما ملکت ایمانکم کی عام ذکر کردہ وجہ تسمیہ و اطلاق کی رو میں بیان کی گئی ہے مقابلۃً ملاحظہ ہو:-

"دنیا میں ہزاروں چیزیں خریدی جاتی ہیں مگر کسی کو ملک یمین نہیں کہتے (لہذا یہ وجہ) محض لغو اور بالکل بے بنیاد ہے۔" ص۱۱

ہزاروں بندشیں ہمارے قبضہ و اختیار میں ہیں اور سیکڑوں بندشوں کا کھولنا ہمارے دست راست کے اختیار و قابو میں ہے مگر کسی کو ما ملکتم مفاتحہٗ، ما ملکت ایمانکم مفاتحہٗ نہیں کہتے، (لہذا) یہ محض لغو اور بالکل بے بنیاد ہے۔

اس بحث کے ایک پیراگراف سے جس کی ابتدا۔ "مگر خدا برا کرے"۔۔ سے ہوئی ہے اور۔ "آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں" پر ختم ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سارے علماء اور سارے مفسرین نے "جاہلیت کے ظالمانہ اصول" کو فروغ دینے کی خاطر کنجیوں یا خزانے کے معنی ذکر کئے ہیں، حالانکہ تفاسیر کے اندر مرجوح اقوال کی فہرست میں بعض علمائے کے اقوال موجود ہیں کہ ان کے نزدیک اس سے بیوت المالیک مراد ہے جس کی تفصیل کا کوئی خاص نتیجہ نہیں، کہنا صرف اسقدر ہے کہ کم از کم ان حضرات کو تو ہدف طعن سے مستثنیٰ کرنا تھا اگر ان کو داد نہیں دیجاتی، کیونکہ انھیں کے مرجوح اقوال آج راجح بلکہ اصوب بن رہے ہیں

باقی رہا یہ کہ بعض حضرات کے یہ اقوال مرجوح کیوں ہوئے، اور جمہور مفسرین نے اسے کیوں نہ اختیار کیا، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسا قول جس کا محل تاریخ و ذائع لغت اور قواعد و ضوابط نہ کریں معتبر نہیں اور جہاں حقیقی معنی صادق آتا ہو وہاں خواہ مخواہ مجازی معنی کیوں اختیار کیا جائے بالخصوص جبکہ لغت و استعمال اور حقیقت کا ساتھ روایت بھی دیدے۔ اور روایت کی "لغویت" کا معیار ان کے نزدیک اتفاق سے وہ نہیں جس کی بنیاد مذکورہ "عقل سلیم" پر رکھی گئی ہے، اور ہمیں تو حیرت ہے کہ آپ روایت کے "لغو" کرنے کے کیوں درپے ہو گئے۔ کیونکہ آپکے اصول سے اگر روایت کی تائید آیت سے ہو جائے تو روایت کے ضعف بلکہ موضوعیت تک کی جانب توجہ کئے بغیر اُسے صحیح تصور کر لیتے ہیں، پھر یہاں کونسی خلیج حائل ہو گئی دراں حالیکہ آیت قواعد و ضوابط، لغت اور عرب کے استعمالات کے مطابق رکھی جا سکتی ہے اور کہیں سے کوئی جھول نہیں پڑتا، اور وجہ "لغویت" روایت بھی جو ذکر فرمائی گئی اس کی سطحیت مضحکہ خیز ہے۔

یہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ .. جو لوگ عربیت سے باخبر تھے وہ اس کی رکاکت کو سمجھے" الخ اس کے بارے میں عرض یہ کرنا ہے کہ "عربیت سے نابلد" جن حضرات نے ما ملکتم مفاتحہ میں کنجی مراد لیا ہے انھیں "نابلدان عربیت" نے ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ میں بھی کنجی[1] ہی کی تصریح کی ہے۔ اور جس طرح اول الذکر میں قیل کر کے

---

[1] کنجیوں کا اس قدر گراں بار ہو جانا قابل استعجاب ضرور ہے مگر محال (باقی اگلے صفحہ پر)

بیوت الممالیک لکھا ہے، اُسی طرح ثانی الذکر میں قیل کر کے خزائن تحریر کیا ہے، اس کی وجہ وہی ہے، کہ حقیقی معنی جب مراد لیا جا سکتا ہو تو خواہ مخواہ مجازی معنی مراد کیوں لیا جائے، بالخصوص جبکہ معنی مجازی کے لئے نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ نہیں بلکہ آیت کا سباق معنی مجازی لینے سے ابا کر رہا ہے۔

۵: ایک اور باریک نکتہ | زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب چونکہ لونڈی غلام کو درحقیقت جانوروں ہی کی طرح اپنی ملک اور انسانیت سے بالکل خارج سمجھتے تھے اسلئے انکو غیر ذوی العقول ہی قرار دیتے تھے۔ قرآن چونکہ عرب کی اس وقت کی مروجہ زبان میں اُترا ہے اسلئے عرب کے مروجہ محاورات میں قرآن نے مطلق تغیر و تبدل نہیں کیا.......... اسی لئے ان غلاموں کو ما ملکت ایمانکم کہا گیا، انسان ہونے کی وجہ سے من ملکت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) غیر ممکن بالکل نہیں بالخصوص جبکہ ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ کے پیشتر ہی وآتیناہ من الکنوز کا جملہ موجود ہے تو پھر مفاتح سے وہی کنوز مجازاً مراد لینا مناسب نہیں، طرز بیان بھی یہ چاہتا ہے کہ مفاتح سے کنجیاں مراد ہوں ورنہ اگر مقصد یہ ہوتا کہ خزانے اتنے تھے کہ ایک طاقت ور جماعت سے اٹھانا مشکل تھا تو مفاتح درمیان میں لانے کی ضرورت ہی نہ تھی کنوز کے بعد بآسانی ما انہا لتنوء بالعصبۃ کہا جا سکتا تھا، اور یہ کافی ہوتا، پھر قارون کے خزانے کا انتہائی تکثر اور اس کی عظیم الشان وسعت اسی طور سے سمجھ میں آئے گی کہ خزانہ تو خزانہ اجتماعی طور سے اس کی کنجیوں کے اثقال ویار ایک طاقتور جماعت نہیں اٹھا سکتی تھی ورنہ نفس خزانہ کا ایسا ہونا کوئی بڑی بات نہیں سیم و زر کا اتنی مقداریں بصورت خزانہ ہونا کہ ایک جماعت نہ اٹھا سکے ہر حکومت کا خزانہ اس صفت سے موصوف ہوتا ہو عصر حاضر کے بنکوں کے اندر محفوظ چاندی کی اینٹیں اتنی وزنی ہوتی ہیں نیز اس آیت کی روشنی میں بھی ما ملکتم مفاتحہ میں مفاتح کا کنجیوں کے معنی میں ہونا ظاہر ہوتا ہے کلان الآیات تفسر بعضہا بعضا۔

ایمانکم نہیں کہا گیا (اور اسی لئے) ماملکتم مفاتحہٗ فرمایا گیا اگر غلاموں کے سوا دوسرے آزاد لوگ مراد ہوتے تو (ماملکتم مفاتحہ) میں ما ہرگز استعمال نہ کیا جاتا، بلکہ من ملکتم مفاتحہٗ فرمایا جاتا.....

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اسلام سے بغاوت اور مسلمانوں کے ساتھ قتال کرنے کے جرم میں ان قیدیوں کو انسانیت سے خارج جانوروں کی طرح مال غنیمت شمار کیا گیا۔ الخ صفحہ ۱۳ و ۱۴

ت:۔ اگر یہی باریک نکتہ ہے اور اسی مروجہ زبان کو باقی رکھنے کی خاطر ما کا استعمال ہوا ہے تو.......... یا ایھا النبی قل لمن فی اید یکم من الاسریٰ الایہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ جہاں ان ممالیک کے واسطے مَن مستعمل ہوا ہے، ما نہیں ——— اور ——— لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الایہ میں کیا کہا جائے گا جہاں الذین ہے جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے، ان جگہوں پر اس مروجہ زبان و محاورات کی رعایت کدھر گئی؟ اور کیوں تغیر و تبدل کر دیا گیا؟ اور ان مقامات پر عادی حصر و بداہتی تیقن کہ ما ہرگز استعمال نہ ہوتا بلکہ مَن فرمایا جاتا، کدھر روپوش ہو گیا؟ ——— اور ہاں! کیا آزاد عورتوں کو بھی اہل عرب "جانوروں ہی کی طرح اپنی ملک اور انسانیت سے بالکل خارج (ہی) سمجھتے تھے"؟ حتیٰ کہ.......... ماطاب لکم من النساء الایہ میں ما (جو غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے) لانے کی ضرورت پڑ گئی؟

علمائے کرام کی جانب جو توجیہ بلاحوالہ منسوب کر دی گئی ہے، نہ جانے کس جگہ علمائے کرام نے یہ کہا ہے کہ "اسلام سے بغاوت اور مسلمانوں کے ساتھ قتال کے جرم میں ان قیدیوں کو انسانیت سے خارج جانوروں کی طرح" الخ تفاسیر میں تو.......... ماطاب لکم من النساء.......... اور.......... او ماملکت

ایمانکم.......... کے مواقع میں ما لانے کی جو وجہ مذکور ہے، بزبان تفسیر کبیر یہ ہے:۔

لانہ اجتمع فی السریۃ صفتان احدھا الانوثۃ وھی مظنۃ نقصان العقل (ولذا قال نعم ماطاب لکم من النساء، مخ) والاخر کونھا بحیث تباع و تشتری کسائر السلع فلاجتماع ھذین الوصفین فیھا جعلت کانھا لیست من العقلاء

اول الذکر وجہ تو اماء کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ثانی الذکر مشترک بین الاماء والعبید۔

ل:۔ اور جو ارشاد ہے ان اردن تحصناً، اگر لونڈیاں پاک دامن منکوحہ بننا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاک دامنی کی طرف راغب نہ ہوں تو بیشک ان کو گناہ کی جہنم میں ڈھکیل دو.......... ایسی آیتوں میں لاسیما (خاص کر) محذوف ہوتا ہے یعنی (خاص کر جب وہ پاک دامنی چاہیں) کلام عرب میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں جبکہ شرط پر جزا مقدم ہو تو شرط کے قبل لاسیما مقدر ہوتا ہے، تعجب ہے کہ یہ بات تمام مفسرین کی نگاہوں سے پوشیدہ رہی.......... صفحہ ۲۰ منہیہ۔

ت:۔ اگر یہی قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں جزا شرط پر مقدم ہو گی تو شرط کے پیشتر لاسیما مقدر ہوگا اور حکم بصورت انتفائے شرط بھی موجود ہوگا، شرط صرف افادہٗ اہمیت کرے گی تو ——— والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا ——— میں بھی لاسیما قبل اِنْ مقدر ہوگا کیونکہ جزا (فکاتبوھم) مقدم علی الشرط (ان علمتم) ہے۔ پس جس طرح ان اردن تحصنا کے قبل لاسیما مقدر مان کر کہا گیا ہے کہ

لونڈیاں پاک دامنی کی طرف راغب ہوں یا نہ ہوں، اکراہ نہ کرو، خاص کر جبکہ وہ پاک دامنی کی خواہشمند ہوں، اسی طرح یہاں تقریر کی جا سکتی ہے کہ عام ازیں کہ مملوک میں خیر ہو یا نہ ہو جب وہ مکاتبت چاہیں تو انھیں مکاتب کر دینا واجب ہے (کیونکہ الامر للوجوب) خاصکر جبکہ اُن میں تمھیں خیر کا علم ہو (تو اہمیت زیادہ ہے) تو پھر آیت میں الامر للوجوب کا اجرا کرتے ہوئے مملوک کی درخواست مکاتبت پر اُسے مکاتب کر دینے کے وجوب کا فتویٰ اس شرط کے ساتھ کیوں مشروط فرمایا گیا ہے کہ،، اگر وہ ایمان لا چکا ہے (یعنی اس میں خیر ہے) اور درخواست مکاتبت کرے تو آقا پر مکاتب کر دینا فرض ہے،، ——— اور،، اگر غلام کافر ہو یعنی غیر مسلم ہو تو آقا کو اختیار ہے، چاہے مکاتبت کرے یا نہ کرے،، صفحہ ۹ سطر ۱۳

لاسیما والا اصول یہاں کیوں جاری نہ فرمایا گیا ——— یہی وجہ ہے کہ سارے مفسرین کی نگاہوں سے یہ کلیہ پوشیدہ رہا، مجھے اس سے انکار نہیں کہ لاسیما ایسے موقعوں پر قبل شرط مفید نہیں ہوتا لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں اور حیرت ہے کہ مفسرین کی نگاہوں سے یہ بات پوشیدہ ہونے کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ کسطرح فرما دیا گیا کہ:-

،، جو کچھ میں نے ذکر کیا (یعنی لاسیما والا اصول) اسکا خیال صاحب تلخیص اور صاحب مطول کے خیالات) ادھر نہیں گیا اور عام مفسرین کی طرح لغو تاویلوں میں اُلجھ گیا، جو عقل سلیم کے موافق کوئی مطلب نہیں پیدا کر سکے،، صفحہ ۲۰ منہیہ

مفسرین کی ،، خلاف عقل سلیم لغو تاویلیں ،، تو حقیقت یہ ہے کہ نہایت نکھری ہوئی نہایت ٹھوس اور ہر جگہ جاری و ساری ہیں، لاسیما والے اصول کی طرح نہیں کہ بعض جگہ قیاسات اور دوسرے ذرائع سے روک تھام کرنی پڑے، اور دیکھ

نہیں تو کم از کم یہ فرمانا تو یقیناً خلاف واقعہ ہے کہ،، کوئی مطلب نہیں پیدا کر سکے،، صاحب کشاف اور دوسرے مفسرین نے جو اس موقع پر لکھا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ لا تکرھوا الآیہ میں چونکہ لفظ اکراہ لایا گیا ہے اور اکراہ کا صدق، اسکا تصور اور اس کا وجود وہیں وہاں ہوگا جہاں فریق ثانی کی طرف سے مدافعت ہوگی اس لئے (ان اردن تحصنا ذکر کیا گیا، ورنہ بغا تو بہر صورت ممنوع ہے، اکراہی ہو یا رضائی، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ قید واقعی ہے۔ چونکہ ایسا ہوا کرتا تھا اسلئے (ان اردن تحصنًا لایا گیا، جیسا کہ لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق اور لا تاکلوا الربوا ضعافًا مضاعفا میں ——— کہ قتل اولاد خشیۃ الملاق پر، اکل ربا اضعافًا مضاعفا پر موقوف نہیں، قتل اولاد اور اکل ربا تو بہر حال بہر موقع اور بہر نوع ممنوع و ناروا ہے مگر چونکہ بخوف افلاس و فقر قتل اولاد ہوتا تھا اور ربا اضعافًا مضاعفًا کھایا جاتا تھا اسلئے یہ ٹکڑے ذکر کر دیے گئے۔ کیا مفسرین کا یہ فرمانا واقعی ،، خلاف عقل سلیم لغو تاویل ہے،، اور کیا واقعی وہ ،، کوئی مطلب پیدا نہ کر سکے ،، بالکل بے مطلب اور بے معنی بات کہہ رہے ہیں؟

د:- بغا یعنی زنا کا ممنوع ہونا تو مسلم ہی تھا اور ہے، کسی کو حرام کاری پر مجبور کرنا ایسا ہی جرا اور ممنوع ہے کہ اسکے لئے کسی آیت کے نازل کرنے کی ضرورت نہ تھی، کسی اختیاری عورت سے زنا کرانا اور اس زنا کی اجرت اپنے مصرف میں لانا ایسی بے حیائی ہے کہ ہر زمانے اور ہر طبقہ میں یہ معیوب ہی سمجھا جاتا رہا اور اہل مذاہب کے نزدیک تو ایسا ممنوع ہے کہ اسکے لئے کسی خاص حکم کے وارد کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کیونکہ اس کا ممنوع ہونا بدیہی ہے .... اس آیت (لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء) سے پیشہ کرانے کی وہ بھی صر

اپنی لونڈیوں سے ممانعت نکالی جاتی ہے تو یہ ایک تحصیل حاصل ہو جو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نور کی مذکورہ آیتوں (یعنی لا تقربوا الزنیٰ الآیۃ اور ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ الایہ) سے نکل رہی ہے .... پیشہ کرانا صرف اپنی لونڈیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، آج صدیوں سے بیسیوں ممالک میں لوگ ہیں جو اپنی رشتہ دار عورتوں اور اجنبی عورتوں سے پیشہ کراتے ہیں اسلئے یقیناً کوئی ایسا ہی کام ممنوع کیا جا رہا ہے جس کا تعلق لونڈیوں ہی سے ہو ورنہ عام ممانعت کے موقعہ پر خاص ممانعت مخالف بلاغت بلکہ مخالف حکمت ہو، .... وہ خاص کام جو لونڈیوں کے ساتھ مخصوص تھا وہ یہی تھا کہ زمانہ جاہلیت سے یہ رواج آ رہا تھا کہ لوگ لونڈیوں کو بلا نکاح اپنی فراش بنا لیا کرتے تھے .... اس آیت کریمہ میں اللہ نے (اسی دستور جاہلیت) اسی مسافحت کو بغاء یعنی زنا قرار دیکر اس سے مسلمانوں کو منع کیا ہے، اس صورت میں لونڈی کی تخصیص کی وجہ معقول ذہن میں آ گئی۔ ص۲۱

ت:- جب پیشہ کرانا ہر زمانے اور ہر طبقے میں ممنوع رہا اور ہے، اور جب اہل مذاہب کے نزدیک ایسا ممنوع ہے کہ اسے درجۂ بداہت حاصل ہے، لہٰذا ممنوع بدیہی اور معیوب مسلم ہونے کے سبب لوگ خود بخود اس سے کنارہ کش رہیں گے اور اس کی ممانعت کے واسطے تنزیل آیت کی ضرورت نہیں تو آج صدیوں سے بیسیوں ممالک میں اس معیوب و ممنوعِ بدیہی کا ارتکاب کیوں کیا جا رہا ہے، لوگ اس ناروا مسلم و بدیہی امرِ شنیع سے باز کیوں نہیں رہ سکے۔

جس طرح پیشہ کرانا ہر زمانے اور ہر طبقہ میں معیوب و ممنوع رہا اور ہے،

بالخصوص اہل مذاہب کے نزدیک ـــــــ تو اسی طرح مطلقاً ارتکاب زنا بھی تو ہر زمانے میں اور ہر طبقے میں معیوب رہا بالخصوص اہل مذاہب کے نزدیک تو مسلّم و بدیہی طور سے ناروا اور معیوب رہا اور ہے، پھر سرے سے لا تقربوا الزنیٰ ہی نازل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور یہ تحصیل حاصل کیوں کیا گیا، اور کونسا زمانہ ایسا رہا ہے اور کس طبقہ اور کن اہل مذاہب کے نزدیک قتل اولاد، سرقہ، کذب، بدعہدی، مکر و فریب امور مستحسنہ رہے ہیں؟ تو پھر لا تقتلوا اولادکم وغیرہ آیات کی حاجتِ تنزیل کیوں پڑی؟ اور یہ تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے؟ اس اصول کی بنا پر تو منہیات و منکرات میں کچھ نہیں تو کم از کم دو ثلث "تحصیل حاصل"، "معیوب مسلم اور ممنوع بدیہی" ہو کر رہ جائیں گے، اسی طرح جہاں جہاں کسی امر یا نہی کی تکرار ہے تو یہ تکرار "تحصیل حاصل" کی صف میں شمار ہو کر لغو ہی رہے گی؟ منجملہ ان کے ایک والذین ھم لفروجھم حافظون الآیہ بھی ہے، کہ سورۂ مومنون میں جب نزول ہو گیا تھا تو سورۂ معارج میں پھر ذکر "تحصیل حاصل" نہیں تو اور کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نور کی آیات کی موجودگی کے باعث لا تکرھوا فتیاتکم الایہ کو "تحصیل حاصل" فرما دیا گیا اگر اس سے[1] پیشہ کرانے کا مفہوم لیا جائے تو اسی طرح کیوں نہیں ہر تکرارِ آیت یا ہر تکرارِ مضمون کو اس قسم کے "تحصیل حاصل" کا شکار بنا لیا جائے اور کہا جائے کہ:-

یہ ایک تحصیل حاصل ہے جو فلاں سورۃ کی فلاں آیت سے نکل رہی ہے۔

"یہ ایک تحصیل حاصل ہے جو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نور کی مذکورہ آیتوں سے نکل رہی ہے" (دریں)

---

[1] اگر کہا جائے کہ پیشہ کرانا تو بداھۃً معیوب اور ممنوعِ مسلّم یقیناً سمجھا جاتا رہا اور رہی یہ اور بات ہے کہ آج صدیوں سے بیسیوں ممالک میں لوگ ملوث ہیں، بہت سے ایسے امور شنیعہ ہیں کہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶ پر)

جب پیشہ کرانا ایسا ممنوع و معیوب رہا اور ہے کہ اس کے لئے تنزیل آیت کی مطلقاً ضرورت نہیں، اور جبکہ :۔

"فانکحوا ماطاب لکم من النساء الآیۃ اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کے لئے نص صریح ہے،، (درِ ثمین صفحہ ۲۵ سطر ۲)

اور جبکہ مسافحت و اتخاذ الاخدان کی ممانعت بھی بالنص الصریح ہی ہے اور جبکہ لاتقربوا الزنی کی نص موجود ہی ہے اور جبکہ :-

"ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ کا عموم ہر طرح کے بغاء و زنا کو

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۵) باوجود انھیں ناروا سمجھنے کے انسان آن کا مرتکب ہو جاتا ہے ــــ تو اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ قتل و غارت، زنا و سرقہ، کذب و افترا اور غیبت وغیرہ بھی ہر زمانے اور ہر طبقہ میں خصوصاً اہل مذاہب کے نزدیک بداہتہً ممنوع و معیوب رہے ہیں اور ہیں، مگر لوگ مبتلا تھے اور ہیں، نفس ممنوع و معیوب سمجھے جانے میں کبھی، کسی زمانہ اور کسی طبقہ اور کسی صاحب مذہب کو کلام نہیں رہا اور نہ ہے، اور تحریر سے تنزیل آیت کی ضرورت اس وقت سمجھائی جا رہی ہے جبکہ شئے معیوب و ممنوع مسلّم و بدیہی نہ ہو، اعمال کو تنزیل آیت میں کوئی دخل نہیں، ورنہ ایک طرف اس دعوے کے باوجود کہ پیشہ کرانا ہمیشہ معیوب اور ہر اہل مذہب کے نزدیک ممنوع رہا اور ہے اسلئے تنزیل آیت کی ضرورت نہیں ــــ دوسری طرف یہ ارشاد نہ ہوتا کہ "آج صدیوں سے بیسیوں ممالک میں لوگ اپنی رشتہ دار یا اجنبی عورتوں سے پیشہ کراتے ہیں،، ــــ بلکہ کہنے والا یہیں تک بس نہ کرے گا، ایک قدم آگے بڑھ کر شراب و قمار کے متعلق بھی یہ دعویٰ کریگا کہ ہمیشہ خصوصاً اہل مذاہب کے نزدیک یہ ممنوع و معیوب رہے اور ہیں لہٰذا ان کے لئے بھی تنزیل آیت کی حاجت نہیں، ایام جاہلیت میں شراب کا معیوب سمجھا جانا تو قول و فعل ابوبکر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور آج بھی جبکہ مغربی تمدن اور یورپ زدگی نے سارے عیوب محاسن سے بدل دیے ہیں مگر شراب و قمار کو عقل و نگاہ کا جہاں تک تعلق ہے سبھی معیوب و ممنوع ہی خیال کرتے ہیں۔

شامل (ہی) ہے،، (درِ ثمین صفحہ ۲۱)

تو پھر لاتکرھوا فتیاتکم الآیہ ہی نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ پیشہ کرانے کی ممانعت کے واسطے اسکے بدیہی معیوب و ممنوع مسلّم ہونے کے باعث تنزیل آیت کی حاجت ہی نہیں، ارشاد کردہ نص صریح (تفسیر فانکحوا والی) کی رو سے مسلمان کبھی بلا نکاح اپنی لونڈی کو فراش بنا ہی نہیں سکتے، مسافحت و اتخاذ الاخدان کی رگ قطع ہی ہو چکی ہے، اور ہر طرح کے زنا و بغاء سے ممانعت ہو ہی چکی ہے تو فرمودہ دستور جاہلیت (یعنی بلا نکاح اپنی لونڈی کو فراش بنانا) پر عمل کرنے کا امکان پیدا ہی نہیں ہوتا، فانکحوا کی تفسیر کردہ نص صریح،، کی رو سے جب اپنی لونڈی فراش بنائی جائے گی تو نزنکاح لے کر ــــ پھر ــــ یہ آیت (لاتکرھوا فتیاتکم الآیہ) نازل کر کے اس قدر بیّن و بدیہی تحصیل حاصل کیوں کیا جا رہا ہے؟ ــــ

پس معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کا فائدہ، اس کا مصداق اور لونڈی کی تخصیص کی جو "معقول وجہ،، بیان فرمائی گئی ہے، ما انزل اللہ بہا من سلطان ــــ ان یتبعون الا الظن۔

میں بھی کہتا ہوں کہ "عام ممانعت کے وقت خاص ممانعت خلاف بلاغت بلکہ خلاف حکمت ہے،، ــــ مگر اس خاص ممانعت کی وہ "معقول وجہ،، نہیں جو متفرد متناقض و متضاد عبارتوں اور ضعیف ترین دلائل سے مشیّد کی گئی ہے اور سطحیانہ حیثیت اختیار کر کے عذر لنگ ہو کر رہ گئی ہے ــــ بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ کیا ہے؟ قبل اس کے کہ اس کا اظہار کروں، حسب ذیل امور پیش نظر رہیں:۔

(۱) لاتکرھوا:۔ معلوم ہوا کہ اکراہ ہوا یا ہوا کرتا تھا، (اکراہ کا نتیجہ خیز ہونا ضروری نہیں جبکا خائف آگے دن ہوتا رہتا ہو کہ ہر زبردستی سے کام بنجانا ضروری نہیں)

(۲) فتیاتکم علی البغاء :۔ معلوم ہوا کہ اپنی لونڈیوں سے اس اکراہ علی البغاء کا تعلق تھا۔

(۳) ان اردن تحصنًا :۔ معلوم ہوا کہ وہ تحصن کی خواہاں ہوتیں اور انھیں اس سے باز رکھنے کی سعی کیجاتی۔

(۴) لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا :۔ معلوم ہوا کہ اس اکراہ کی علت وسبب دنیوی مفاد کی خواہش تھی۔

پس اتنا تو بعبارۃ النص معلوم ہوا، اور اس عبارۃ النص نے بتا دیا کہ نفس زنا کے علاوہ کسی اور چیز کی ممانعت کی جا رہی ہے ورنہ نفس ارتکاب زنا تو بہر حال وبہر صورت ممنوع ہے (لا تقربوا الزنیٰ) اور حسب ارشاد :۔

"ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ کا عموم ہر طرح کے بغاء وزنا کو شامل ہے"۔ ————

نیز یہ کہ ارشاد کردہ رواج جاہلیت (اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانا) کی ممانعت مقصود نہیں، کیونکہ فرمودہ تفسیر فاتکحوا والی نص صریح موجود ہی ہے، اس نص صریح کے ہوتے ہوئے اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانے کی ممانعت تحصیل حاصل ہے۔ اور جناب کے نزدیک تحصیل حاصل تو اتنی ٹھوس دلیل ہے کہ انسانی فکر کی رو سے جو امر ثابت ہو اس کے لئے تنزیل آیت کی حاجت نہیں، چہ جائیکہ یہاں فرمودہ ایک نص صریح موجود ہے، جو ارشاد کردہ رواج جاہلیت کی ممانعت سے بسبب تحصیل حاصل ابا کر رہی ہے، فرق صرف اثبات وسلب کا ہے، فانکحوا ماطاب لکم والی جناب کی تفسیر کردہ نص صریح اثباتی ہے اور ارشاد کردہ رواج جاہلیت کی یہ ممانعت سلبی، لیکن مآل دونوں کا ایک ہی نکلے گا، پس تحصیل حاصل اپنی جگہ پر ثابت رہے گا، لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی اور ہی رواج جاہلیت

کی ممانعت مقصود ہے، وہ رواج جاہلیت کیا تھی؟ یہی کہ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتے اور اس کی کمائی سے دنیوی فائدے حاصل کرتے۔[1]

---

[1] اس ٹکڑے (لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا) کے متعلق جو ارشاد ہوا ہے افسوس کہ محض شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ :۔

"تم چاہتے ہو کہ اگر ان کو محصنات بنا لیں گے تو پھر یہ لونڈیاں نہ رہیں گی، بیویاں ہو کر تمام حقوق ازدواج کی ہم سے طالب ہوں گی اور زر مہر ان کا زر فدیہ بن کر ادا ہو جائے گا، انہیں آزادی مل جائے گی اور اگر ان کو سافحت یا اتخاذ الاخدان کے ذریعہ بغاء پر مجبور کرینگے تو یہ لونڈی کی لونڈی رہیں گی، زر فدیہ ان کے ذمہ رہیگا، بیچی جا سکتی ہیں ورثہ میں تقسیم ہو سکتی ہیں (اگر ان سے اولاد نہ ہوئی) غرض ان دنیوی مفاد کی خاطر" الخ صفحہ ۲۱ یہ لمبی چوڑی عبارت جاتنے یقین وحصر کے ساتھ لکھی گئی ہو کہ "یہی معنی ہیں" من گھڑت نہیں ہیں۔ لیکن :۔

"دوسرے کی تخصیص اور پیشہ کرانے کا مفہوم من گھڑت ہے" (ص ۲۱ سطر ۱)

اچھا فرض کیجئے کہ کوئی شخص بلا نکاح فراش نہیں بناتا، لیکن مذکورہ ان دنیوی فوائد کے خیال سے ان کا نکاح نہ خود کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے سے کر دیتا ہے تاکہ یہ ہماری لونڈیاں باقی رہیں خرید وفروخت کر سکیں، ورثہ میں یہ تقسیم ہو سکیں، کیونکہ خود آقا سے اس کا نکاح ہو یا کسی دوسرے سے، وہ بہر حال (حسب ارشاد) آزاد ہو جائے گی، اور پھر یہ دنیوی مفاد فوت ہو جائیں گے۔ تو ان دنیوی فوائد کی خاطر ان کو لونڈی بنائے رکھنا، نہ انھیں خود زیر نکاح لانا، نہ کسی اور سے ان کا نکاح کر دینا بشری فطرت اور صنفی خواہشات کا گلا گھونٹ دینا ہے بلکہ انھیں زنا کی راہ پر لگا دینا ہے اور اس کی ممانعت اس آیت میں کہاں ہے؟ حسب تفسیر تو اس میں صرف اسکی ممانعت ہوئی کہ دنیوی مفاد کی خاطر انھیں بلا نکاح فراش نہ بناؤ، لیکن دنیوی مفاد کی خاطر ان کا نکاح ہی نہ کرنا کہ پھر نکاح کے باعث جو بہر دانہ آزادی ہے یہ دنیوی مفاد ہاتھ سے جاتے رہیں گے،

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

ذرا الفاظ آیت میں دقت نظر کو دخل دیا جائے، قرآن نے دو الفاظ
استعمال کئے ہیں۔

(۱) بغاء (۲) تحصن ——— آپ فرماتے ہیں۔۔ بغاء یعنی
زنا کا ممنوع ہونا تو مسلّم ہی تھا الخ،، آخر کلا تکرھوا .... علی البغاء
کی جگہ پر علی الزنیٰ کیوں نہ فرمایا؟ کیا بات تھی کہ بجائے زنا کے بغاء کا لفظ اختیار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) اس کی ممانعت تو اس میں نہیں ہے۔ لہذا اس رخنہ کو بند کرنے کے
لئے اب اس کا قول کیجئے کہ وانکحوا الایامیٰ الآیہ کی رو سے نکاح کر دینا واجب ہے،
دنیاوی مفاد کی خاطر نہ خود نکاح کرنا اور نہ کسی دوسرے سے نکاح کر دینا جائز نہیں،
یا تو خود نکاح کر لو، یا کسی سے اس کا نکاح کر دو چلئے قصہ ختم، کوئی مملوکہ اپنے زر فدیہ
میں گرو نہیں رہ سکتی، نکاح کر دینا واجب ٹھہرا، اور جب تحقیق آنجناب نکاح ہوتے
ہی آزاد ہو جائیں گی، چاہے آقا خود نکاح کرے یا کسی دوسرے سے اس کا نکاح
کر دے۔

نیز کیا کوئی سائل یہ سوال کر سکتا ہے؟ کہ اگر یہی بات تھی تو یہ کیوں نہ کہہ دیا گیا کہ
اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش نہ بناؤ ——— جیسا کہ آپ نے صفحہ ۱۰ کے منہیہ میں ارشاد
فرمایا ہے کہ "اگر بلا نکاح فراش کی اجازت ہوتی تو یوں کہا جاتا کہ اپنی فراش بنا لو
یا کسی دوسرے سے ان کا نکاح کر دو،، ——— اس طرح کی
مجمل و مبہم عبارت کیوں لائی گئی جس میں لتبتغوا الآیہ کے سمجھنے کے لئے ایک پانچ
سطروں کے مقدمہ کی ضرورت پڑے اور آیت ———

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا   کہ ناحق خون پروانوں کا ہوگا

بن کر رہ جائے۔

کیا گیا، اس پر غور کرنے کے پیشتر ان الفاظ دو تحصنا کو لیجئے تحصن کسے کہتے ہیں؟ آپ نے
تو اپنے نظریہ کی پیش بندی کی خاطر اس کا ترجمہ "پاک دامن منکوحہ" تحریر فرما دیا
ہے حالانکہ تحصن نکاح کو نہیں کہتے، ہاں اس میں کبھی نکاح[1] کا مفہوم مد نظر
رکھا جاتا ہے لیکن احصان و نکاح ہم معنی و ہم مفہوم نہیں کما یدل علیہ
ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المؤمنات و الآیات الأخر
بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ تحصن اور احصان میں کچھ فرق ہے، نکاح پر اطلاق ہوتا ہے

---

[1] یہیں سے آپ کی اس دلیل کا بطلان ہو جاتا ہے جو بڑے شدّ و مد سے صفحہ ۱۹ میں ذکر کی گئی ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

باہمی تعلقات مرد و زن کی دو ہی صورتیں ہیں (۱) تحصن و احصان یعنی عورت
بھی بیوی بن کر گھر میں رہنا چاہے اور مرد بھی بیوی بنا کر گھر بسانا چاہے یا (۲) بغاء۔ اور
بغا کی تین صورتیں ہیں۔ مسافحت، اتخاذ الاخدان اور زنا۔ قرآن نے جائز صرف تحصن و
احصان کو رکھا، بغاء اپنے ہر سہ انواع کے ساتھ ناجائز۔ تو بلا نکاح لونڈیوں کو
فراش بنانا تحصن و احصان کی صف میں آتا نہیں، کیونکہ نکاح نہیں ہے اور اس کے
علاوہ جو شکل ہو نا جائز ہے (خلاصہ بحث ص۱۹)

لیکن جب معلوم ہو گیا کہ احصان و تحصن نکاح کے مرادف نہیں تو آپ کی ساری بحث
بے سود ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ یہ صحیح ہے کہ قرآن نے تحصن و احصان ہی کو صورت جواز
دی ہے، مگر یہ تو نہیں کہ نکاح ہی کو شکل جواز بنایا؟ آپ ابتغاء بالمال والی
آیت سے استشہاد کرتے ہیں (.....ان تبتغوا باموالکم محصنین الآیہ مگر غور و فکر جواب دینگے
کہ استشہاد باطل اور محض مغالطہ ہے، کیونکہ وہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ ابتغاء بالمال کرو
تو احصان (نکاح) کی نیت سے نہ کہ مسافحت و اتخاذ الاخدان (باقی صفحہ ۳۲ پر)

مگر کس کا؟ تحصن کا یا احصان کا؟ دیکھئے جہاں جہاں نکاح کا مفہوم مدنظر تھا احصان کہا گیا ہے۔ والمحصنات من النساء۔ محصنات غیر مسافحات، فان احصن وغیرہ وغیرہ والمتحصنات من النساء متحصنات غیر مسافحات۔ فان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱) کے خیال سے یعنی ابتغاء بالمال کا جواز منحصر ہو نکاح میں، نہ کہ تحصن احصان کا انحصار ہو ابتغاء بالمال (ادائے مہر) میں ——— اور لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانا تحصن و احصان کے منافی کب ہو؟ یہ بھی احصان ہی کے زمرہ میں آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احصان کی دو شکلیں ہیں (۱) نکاح یعنی اجر مفروض کی ادائیگی کے بعد عورت سے قربت (۲) حق تملیک سے استمتاع۔

غور کرنے کی بات ہو کہ نفس مباشرت تو نکاح، مسافحت، اتخاذ الاخدان، زنا ان ساری صورتوں میں یکساں ہے۔ نکحت قبلت سے اس فعل مخصوص کی ماہیت تو بدلتی نہیں زبان سے نکحت کہہ کر زندگی بھر ایک عورت کو گھر میں رکھ لیا جائے یا ایک آزاد عورت کو بلا نکاح زندگی بھر گھر میں رکھے رہا جائے، نفس تعلقات مرد و زن میں دونوں صور مساوی ہیں، آپ نے ایک کو جائز کہا، محض اصطلاح شرعی کی رو سے او نکاح کر کے ایک عورت کو قلعہ بند (احصان) کرنا اس اصطلاح کے باعث جائز ٹھہرا اور بلا نکاح کسی اجنبیہ کو قلعہ بند کرنا محض اس اصطلاح کے سبب ناجائز حالانکہ تعلقات دونوں شکلوں میں وہی رہتے ہیں، پس اگر وہی شرع حق تملیک سے استمتاع کو جائز رکھ رہی ہے اور اسے احصان ہی کی صف میں شمار کر رہی ہے تو کونسی رکاوٹ نظر آ رہی ہو؟ پس حق تملیک سے لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانا بھی احصان ہی ہوا اور وہ بھی بیوی کی طرح محصور ہوتی ہیں۔ منکوحہ کے احصان کی بندش کو کھولنے کے لئے لفظ طلاق ہو اور مملوکہ کے احصان کی بندش کھولنے والی شئے بیع یا اس کا اعتاق ہو اور جس طرح منکوحہ ایک وقت میں ایک ہی شخص کی فراش ہو سکتی ہو اسی طرح مملوکہ ——— والتفصیل فی المطولات۔

تحصنن وغیرہ آخر کیوں نہیں کہا گیا، احصان سے مبنی للمفعول بنانے کی کیا ضرورت تھی، تحصن سے اسم فاعل ہی عورتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ——— یہاں تحصن ہے نہ کہ احصان، فان اردن ان تحصن نہیں ہے۔ مقصد یہی ہے کہ لونڈیوں سے بغیر نکاح استمتاع صرف آقا کر سکتا ہے اور اُسے لازم ہے کہ صرف اپنی ہی فراش بنا کر زیر حصار رکھے، نہ یہ کہ اس چہار دیواری کو توڑ کر دنیوی مفاد کی خاطر حسب رواج جاہلیت اس کو پیشہ کرانے پر مجبور کرے، بالخصوص جبکہ وہ اس حصار سے باہر آنا نہیں چاہتیں۔ اب فرمائیے اس موقعہ پر بغاء مناسب تھا، یا زنا؟ آپ نے تو نہایت سادگی سے فرما دیا کہ:۔

"اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اسی دستور کو بغاء یعنی زنا قرار دیکر الخ"

لیکن تجاوز عن الحد کا مفہوم کس میں مضمر ہے؟ اور اس حد کو حصول منفعتِ دنیوی کے لئے توڑنا بغاء سے سمجھا جائے گا یا زنا سے؟ ممکن ہے یہ جواب دیا جائے کہ مفہوم زنا میں اتفاقیہ فعل شنیع مضمر ہے اور بغاء میں پائیداری ہوتی ہے تو عرض ہے کہ مسافحت بجائے بغاء استعمال کیا ہوتا، اور آپ نے کہا بھی ہے کہ:۔

"اسی دستور جاہلیت (بلا نکاح فراش) کو قرآن مسافحت قرار دے رہا ہے"۔

مگر کیوں بجائے مسافحت کے بغاء کہا۔ کیا مجبوری تھی؟

آپ فرماتے ہیں کہ:۔

پیشہ کرانے کا مفہوم اپنی طرف سے ہو، آیت میں اس کا کہیں ذکر نہیں ص۲۱ سطر ا

اب تو معلوم ہو گیا کہ یہی لفظ بغاء ہو جو پیشہ کے مفہوم کی خاطر ذکر کیا گیا ہو جس کی تائید لتبتغوا عرض الحیٰوۃ الدنیا سے ہو رہی ہے اور اس ٹکڑے (لتبتغوا الخ) کے متعلق جو شاعرانہ نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے اس کا ضعف بتایا جا چکا۔

پس آیت کے الفاظ ہی کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو آیت خود مفسرین
کے بیان کردہ سبب نزول کی آئینہ دار ہے، ہذا ما القی اللہ فی روعی ——
لہذا جب آیت تائید کر رہی ہے اور اس کا رجحان اسی طرف ہے تو روایت کے
ضعف و صحت کی طرف نگاہ کرنا بے سود ہے، آپ کو تو بدرجۂ اولیٰ اسے
تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ آیت مؤید ہے اور آیت میں تائیدی و رجحانی عنصر
موجود ہو تو از روے اسناد روایت ضعیف بلکہ موضوع تک صحیح تسلیم کر لینے میں
آپ کو عذر نہیں ہوتا؟

خلاصہ یہ کہ آپ اور مفسرین دونوں اس آیت کو ایک مخصوص رواج
جاہلیت کی ممانعت کے لئے کہتے ہیں، فرق صرف تعیین رواج کا ہے آپ کے
نزدیک اپنی لونڈی کو بلا نکاح فراش بنانا اس کا محل ہے، اور اُن کے یہاں
اپنی لونڈیوں سے پیشہ کرانا، لونڈیوں کی تخصیص کی وجہ رواج جاہلیت کے
لحاظ سے ہر دو اقوال میں مشترک ہے، ورنہ نفس پیشہ کرانا جس طرح عام ہے اسی طر
نفس فراش بنانا بھی عام ہے، آج صدیوں سے بیسیوں ممالک میں جس طرح
اپنی رشتہ دار یا اجنبیہ سے پیشہ کرایا جا رہا ہے اسی طرح صدیوں سے بیسیوں
ممالک میں (علاوہ لونڈیوں کے) رشتہ دار یا اجنبیہ سے زنا بھی کیا جا رہا ہے،
اگر پیشہ کرانے کے قول پر "خلاف بلاغت بلکہ خلاف حکمت" کا الزام آسکتا ہے
تو اس آیت سے اپنی لونڈیوں کے ساتھ تعلقات کو سافحت قرار دیتے ہوئے
اس کی ممانعت نکالنے پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے لا تقربوا الزنیٰ سے اگر اس کا
جواب دیا جا سکتا ہے، تو رشتہ دار یا اجنبیہ سے پیشہ کرانے کی ممانعت کے لئے بھی
یہی آیت پیش کی جا سکتی ہے، آپ کے دلائل و استنباط خود آپ کی نص صریح
(تفسیر فانکحوا ما طاب لکم الایۃ والی) سے باطل ہو جاتے ہیں، اپنی لونڈیوں

پیشہ کرانے کی ممانعت اگر سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نور کی آیات سے نکل رہی ہے
لہذا لاتکرھوا فتیاتکم الآیہ تحصیل حاصل ہوتی ہے تو آپکی تحقیق کی تحصیل غیر حاصل ہوتی ہے؟ سورۂ بنی اسرائیل
اور سورۂ نور کی آیات اور فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کی ارشاد کردہ تفسیر (جسے
نص صریح کہا گیا ہے) ملا کر دیکھ لیجئے، جس کی تفصیل گزر چکی، غرض اس آیت کی
ارشاد کردہ تفسیر خود آپ ہی کے اُن مقدمات و براہین سے منہدم ہو جاتی ہے جو
پیشہ کی ممانعت کے لئے اس آیت کے کہنے والے حضرات کے رد میں ذکر کئے گئے
ہیں، کما فصّلنا۔

اسی سلسلہ میں جناب کا یہ ارشاد کہ:۔

"اگر اس سے پیشہ کرانے کی ممانعت نکلتی ہے تو صرف اپنی لونڈیوں
سے اور وہ بھی جبکہ وہ تحصن کی خواہش مند ہوں، لونڈیوں کے
علاوہ دوسری عورتوں سے پیشہ کرانے کی ممانعت نہیں" ص۱۲ سطر ۴

سخت قابل حیرت ہے اور اس پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے، بیانات مفسرین کی تردید
میں یہ جملہ کہ —— "اور وہ بھی جبکہ وہ تحصن کی خواہش مند ہوں" ——
کہاں تک قابل وقعت ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کیونکہ آپ خود مقر ہیں کہ ان اردن
تحصنا کا مقصود و مآل بقول مفسرین وہی ہے جو آپ نے کالسیما کے ذریعہ
بتایا، اگرچہ غریب مفسرین نے طرح طرح کی تاویلیں کیں اور عقل سلیم سے تہی تھے
بہرحال ان کی تاویل کا نتیجہ اور ان کا مقصد بھی وہی ہے جو آپ نے کالسیما مقدر
کر کے کیا، اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد و مطمح نظر صرف مفسرین پر
الزام قائم کرنا ہے، جیسے بھی ہو، احقاق حق مدنظر نہیں بلکہ یہ کہ مفسرین کی بات کسی
طرح نہ رہے۔

اگر اس جملہ سے (یعنی ان اردن تحصنا سے) قول مفسرین پر زد پڑ سکتی ہے،

تو آپ کے نتیجۂ استنباط پر بھی چسپاں کیا جا سکتا ہے بایں طور کہ :-

اگر اس آیت سے بلا نکاح فراش بنانے کی ممانعت نکلتی ہے تو صرف اپنی لونڈیوں سے اور وہ بھی جبکہ وہ تحصن کی خواہش مند ہوں، اگر وہ تحصن کی خواہشمند نہ ہوں تو اس کی ممانعت نہیں ـــــــــــــــ

پس اس قید سے آپ کا قیاس و ظن جس طرح گلو خلاصی کرے گا، بعینہ وہی قولِ مفسرین کے لئے بھی مخلص کا کام دے گا۔

باقی رہا یہ شبہہ کہ ـــــ "اس آیت میں لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے پیشہ کرانے کی ممانعت نہیں" ـــــ ہر چند کہ اس کے جواب کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے، مگر بہتر ہے اگر اس کی مختصر سی تشریح کر دی جائے کہ جب پیشہ کرانا مطلقاً ممنوع ہے تو کیوں نہیں آیت کو ایسی عبارت کا قالب دیا گیا جو اماء و غیر اماء دونوں پر حاوی ہوتی ـــــ تو بات یہ ہے کہ پیشہ کرانے کی چند صورتیں ہوتی ہیں :-

۱۔ کسی غیر اختیاری عورت رشتہ دار یا اجنبیہ سے پیشہ کرایا جائے ـــــ تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ کسی کے زیر اختیار نہیں ہے، کوئی اس پر جبر و اکراہ نہیں کر سکتا اس لئے اس کا پیشہ کو اختیار کرنا ہی اس پر دال ہے کہ یقیناً وہ پاکدامنی نہیں چاہتی، ورنہ کیا وجہ تھی کہ وہ یہ حرکت کرتی اور اس پر آمادہ ہوتی، کسی کے اختیار میں تو ہے نہیں، اس لئے لا تقربوا الزنیٰ کی ممانعت اس صورت کے لئے کافی ہے، اور ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ الآیہ کی وعید کی سزاوار۔

۲۔ اختیاری عورت ہو اور وہ پاک دامنی کا ارادہ نہ کرے، ایسے فعل شنیع سے بچنا نہ چاہئے، اسے تحصن محبوب نہ ہو اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے فلسفہ کی قائل ہو اور اس پر عمل پیرا، تو آپ اکراہ کیجئے نہ کیجئے، اس سے

پیشہ کے لئے کہئے یا نہ کہئے، وہ تو بہر حال ارتکاب فواحش کرے گی اور لا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن الآیہ کی مجرم ہوگی۔

۳۔ اختیاری عورت ہو، پاکدامنی چاہتی ہو مگر آقا مجبور کر رہا ہو، اور زبردستی و زیر اختیار ہونے کی وجہ سے پیشہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہو، تو اس کا کیا قصور ہے؟ بصورت اکراہ و جبر ایمان جیسی نعمت میں بھی لسانی انکار معاف کیا گیا ہے، اس لئے ان کے لئے غفور رحیم کی تسلی مدنظر تھی اور ساتھ ہی رواج جاہلیت (لونڈیوں سے پیشہ کرانے) کی ممانعت بھی مقصود، بایں سبب ایسی عبارت کا جامہ پہنایا گیا کہ اختیاری عورت سے (باکراہ) نفس پیشہ کرانے کی ممانعت بھی نکل آئی، اور بصورت اکراہ و جبر ان کی تشفی بھی ہو گئی اور ساتھ ہی یہ چیز بھی سامنے آ گئی کہ اگر کسی اجنبیہ غیر اختیاری عورت پر قبضہ کر کے ظلماً و جبراً کسی نے اس سے زنا کیا تو چونکہ علت غفران و رحمت اکراہ ہے اسلئے وہ بھی معاف کی جائے گی۔

۵ :- آیت اظہار زینت سے استدلال | قرآن میں عورتوں کو حکم ہے کہ لا تبدین زینتھن الآیہ مولاؤں اور آقاؤں کو بعل (خاوند) نہیں کہتے، اس لئے لونڈی اپنے آقا سے ابدائے زینت کرے گی یا نہیں؟ اگر کرے گی تو ان نام زدہ انواع میں سے کس نوع میں آقا کو داخل سمجھے گی؟ اور اگر آقا سے ابدائے زینت نہیں کر سکتی اس لئے کہ اس فہرست میں موالی یعنی آقا کا کوئی ذکر نہیں، تو جب ابدائے زینت آقا کے سامنے جائز نہیں تو حفاظت فروج بھی ضرور آقا سے واجب ہوگی، والحافظین فروجھم والحافظات کی رو سے، اس لئے کہ جس سے حفاظت زینت فرض ہو

اس سے حفاظت فروج تو بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگی.........
دوسری بات اس آیت میں غور طلب یہ ہے کہ جس طرح شوہر
وغیرہ کے سامنے ابدائے زینت کی اجازت ہے۔ اسی طرح
اپنے غلاموں کے سامنے بھی ابدائے زینت کی اجازت ہے....
ظاہر ہے کہ غلام شوہر کے حکم میں نہیں بلکہ باپ بھائی بیٹے کے حکم
میں ہے اس لئے جب تک وہ آزاد نہ ہو جائیں اس وقت تک
ان کی آقائن کا نکاح ان سے ناجائز ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ
عورت کا ملک یمین تو محرم ہو جائے، اور قبل آزادی باہم نکاح
تک حرام ہو، اور مرد کی ملک یمین ایسی حلال ہو جائے کہ بغیر آزاد
کئے ہی نہیں، بغیر نکاح بھی فراش بن سکے۔ آخر یہ فرق کس بنا پر
ہوگا؟ صفحہ ۱۸ و ۱۹

ت:۔ عجیب مضحکہ خیز استدلال ہے، اور الزام بما لا یلتزم کا بہترین نمونہ
ملک یمین (مملوکہ) کی ممانعت ابدائے زینت کا قول کریں آپ اور الزام دیں
ان حضرات کو جو اس کے قائل نہیں، یہ آپ کا قیاس یا آپ کے فہم آیت مذکورہ
کا نتیجہ ہے، جو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس آیت میں مخاطب لونڈیوں سے بھی ہے
——— آیت مذکورہ میں کن عورتوں کے ابدائے زینت کے لئے
یہ حصار قائم کیا گیا ہے؟ ——— آیت اور اسکے سیاق و سباق صاف
بتا رہے ہیں کہ آزاد محصنہ اور مملوکہ ہی کے درمیان امتیاز کی خاطر یہ قلعہ
بندی ہو رہی ہے، اور حکم صرف آزاد عورتوں کے واسطے ہے، آگے او ما
ملکت ایمانھن کا ٹکڑا اسپر بین طور سے دال ہے، کیا لونڈیاں بھی کسی کی
آقائن ہو سکتی ہیں؟ وانا بعین غیرا و لی الاربۃ من الرجال

وغیرہ سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ حرّہ کے لئے یہ حکم ہے، تو جب مملوکہ اس
حکم میں داخل ہی نہیں تو اس سے استدلال بالکل بے بنیاد ہے، مملوکہ کے واسطے
ابدائے زینت کے معاملہ میں زید، عمرو بکر اور اس کا آقا سب برابر ہیں اور
ظاہر ہے کہ ابدائے زینت مستلزم اظہار ستر نہیں، حتیٰ کہ آقا کے علاوہ اور سب کے
لئے بھی اظہار ستر کی اجازت لازم آ جائے، باقی رہا آقا کے لئے ابدائے زینت
کے ساتھ اظہار ستر کا بھی اذن کیسے ہے، تو اسکی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔
رہا ——— " دوسری بات اس آیت میں غور طلب یہ ہے" الخ ———
کے متعلق ——— تو پہلے اس کا تصفیہ ہونا چاہئے کہ ما ملکت ایمانھن میں
غلام و مملوکہ ہر دو داخل ہیں، یا صرف غلام یا صرف مملوکہ؟ ——— ایک مجیب
یہ جواب دے سکتا ہے کہ اس سے مراد صرف اماء ہیں[1] غلام نہیں، اور نساءھن
سے مراد حسب عادت جاریۂ قرآن صرف آزاد عورتیں، کما ذھب الیہ ابو حنیفۃ
رحمہ اللہ تعالیٰ، ان العبد لا یجوز لہ النظر الی شعر مولاتہ وانہ لیس بذی محرم منہا، وہو
قول ابن مسعود والمجاہد والحسن و ابن سیرین وسعید بن مسیب رضی اللہ عنہم (تفسیر کبیر)
د:۔ سورۂ احزاب میں ہے کہ یا ایھا النبی انا احللنا لک
ازواجک......... وما ملکت یمینک.......
و بنت عمک الآیہ (اس آیت میں ازواج کے ساتھ ما ملکت یمینک

---

[1] اگر یہ کہا جائے کہ مملوکہ عورت ہے ہی، اس سے ابدائے زینت کی اجازت کسی عورت کو
دینی کیا معنی؟ اس لئے اس سے غلام مراد ہیں ——— تو پھر نساءھن جو اس کے
پیشتر ہی ہے کیوں کہا؟ اور کیوں عورت کو عورت کے سامنے ابدائے زینت کی اجازت
کے واسطے اس لفظ کے ذکر کی ضرورت پیش آئی۔

اور بنات عمک وغیرہ مذکور ہوئی ہیں اس سے استشہاد کیا جا رہا ہے کہ) تو کیا صرف ازواج کے ساتھ مذکور ہونے کی وجہ سے نعوذ باللہ یہ سب حلال ہو جاویں گی (یعنی سورۂ مؤمنون میں جو والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم ہے، وہاں ملک یمین ازواج کے ساتھ مذکور ہے، تو گویا ذکر مع الازواج کی وجہ سے کہا جا رہا ہے کہ بلا نکاح ملک یمین سے تمتع حلال ہے) تو جب چچیری بہنیں وغیرہ بلا نکاح حلال نہ ہوں گی، تو ملک یمین کیوں بلا نکاح حلال ہو جائیں گی؟ یہ کیا زبردستی ہے کہ جس کا ذکر ازواج کے ساتھ ہو وہ بلا نکاح محل تمتع بن جائے؟ (ص۲۷)

ت :- اس استدلال اور اس نقض میں ایک زبردست مغالطہ ہے ——— سوال یہ ہے کہ انا احللنا سے کیا مراد ہے؟ آیا یہ مطلب ہے کہ انا احللنا بالنکاح یعنی فلاں فلاں عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں اس طور پر کہ تم ان سے نکاح کرکے انہیں فراش بناؤ (یعنی احللنا نکاح کے ساتھ مقید ہے) تو پھر کیا ازواج کی جو پہلے سے زیر نکاح ہیں، ان سے بھی پھر دوبارہ نکاح کی حاجت ہے؟ اگر کہا جائے کہ ازواج سے تو چونکہ نکاح ہو ہی چکا ہے، اس لئے اجورھن تک تو احللنا میں قید نکاح نہ لگے گی، اس کے بعد وہ مقید بالنکاح ہوگا، تو لازم آتا ہے کہ ایک جملہ میں ایک ہی عامل اپنے دو معمولوں پر دو معنی کے پیش نظر صادق آئے یعنی کسی پر تو اس کا صدق بالعموم (بغیر القید) ہو اور کسی پر تقییداً ——— احللنا مقید بالنکاح ہوگا تو اس کے تمام معمولوں میں وہ قید جاری و ساری ہوگی اور ہر معمول میں اس کا لحاظ ضروری ہے اور اگر عام رہے گا تو سب پر اس کا صدق بغیر القید ہوگا (کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ تامل) یہ کیا کہ ازواجک تک تو بغیر النکاح

کی قید لگائی جائے (یا عام، بغیر القید رکھا جائے) اور اسکے بعد یکلخت قید نکاح چپکا دیجائے؟ ——— جاء زید وعمرو و بکر، یہ جملہ صحیح ہے یا نہیں اور اس کی صحت علیٰ حالہٖ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر زید و عمرو تو سوار ہو کر آئے ہوں اور بکر پاپیادہ!! لیکن نفس جملۂ مذکورہ کیا بتا سکتے ہیں، کہ کون سوار ہو کر آیا اور کون پاپیادہ؟ ——— غرض ایک شخص اگر اپنے دلائل و براہین کے ذریعہ ازواجک تک بلا نکاح (یا بلا تقیید) اور اسکے بعد بالنکاح کی قید لگا سکتا ہے تو دوسرے کو بھی موقع ملنا چاہئے اور اسے اختیار دینا چاہئے کہ وہ اپنے دلائل و براہین کی روشنی میں بتلائے کہ احللنا کا صدق بلا نکاح ماملکت یمینک تک ہے، اسکے بعد و بنات عمک سے قید نکاح کی ضرورت پڑے گی۔

اصل یہ ہے کہ یہ آیت نہ صرف بالنکاح حلت اور نہ صرف بلا نکاح حلت کے لئے ہے یعنی احللنا کسی قید کے ساتھ مقید نہیں، بلکہ لابشرط شئی کے درجہ میں ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ فلاں فلاں عورتیں حلال ہیں، اب کون حلال ہے اس طور پر کہ اس سے نکاح کی ضرورت پڑے اور کون بلا نکاح حلال ہے، اسپر اس آیت سے روشنی پڑتی ہی نہیں، بشرط شئی اور بشرط لاشئی کے لئے دوسرے موقع کی جانب رجوع کرنا ہوگا، وہاں اس لابشرط شئی کے ہر دو پہلو واضح کئے گئے ہیں ——— جیسا کہ میں نے ابھی بتایا، کہ جاء زید و عمرو و بکر میں زید، عمرو اور بکر نفس مجیئت میں شریک ہیں مگر مجیئت بحالت رکوب کس پر صادق ہے اور بحالت عدم رکوب کس پر؟ اسے یہ جملہ نہیں بتا رہا ہے، اور نہ اس جملہ کا یہ مقصد ہے، پس یہ آیت کسی فریق کے لئے مفید مقصد نہیں اور اگر کچھ مفید مقصد بن سکتی ہے، تو ہمارے ہی لئے ـ کما ستبین انشاء اللہ تعالیٰ۔

د:- باقی رہا جور دمیل کے معنی (ذلک ادنیٰ ان لاتعولوا میں عول کے معنی جور دمیل نہ ہوسکنے کی تردید کا سلسلہ ہے) لیکر یہ مطلب نکالنا کہ اگر ایک ہی کروگے تو تم جور دمیل نہ کرسکوگے یا کسی طرف مائل نہ ہوسکوگے، یہ بھی بے جوڑ ہی ہے، جور دمیل سے بچنے کی ترکیب تو یہ بتائی جاسکتی ہے۔ جہاں جور دمیل کا امکان ہو، جب ایک ہی بی بی ہو تو پھر نہ وہ عدل ہی کرسکتا ہے، نہ جور دمیل، اس لئے کہ عدل جس طرح کم ازکم دو کے درمیان کرے گا اسی طرح جور دمیل کے لئے بھی کم ازکم دو کی ضرورت ہے، سرے سے شادی ہی نہ کرے تو اور زیادہ جور دمیل سے محفوظ رہ سکے گا۔ صفحہ ۲۴

ت:- لاتعولوا کے معنی جور دمیل نہ ہوسکنے کی دلیل میں جو یہ استہزا آمیز عبارت تحریر فرمائی گئی ہے، افسوس ہے کہ میرے فہم ناقص سے بالاتر ہے بظاہر بالکل بے معنی عبارت ہے ——— معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس آیت کو محمول کرلیا گیا ہے اس شخص پر جس کی ایک بی بی پہلے سے موجود ہے، حالانکہ یہ آیت نفس نکاح کے اذن کے بارے میں ہے، اس آیت میں تو اس شخص کو ہدایت کی جارہی ہے جو نکاح کرنے والا ہے، کہ چار تک کرسکتا ہے بشرطیکہ عدل کرسکے، ورنہ ایک ہی سے نکاح کرے تاکہ جور دمیل نہ کرسکے، نہایت صاف اور سیدھا سا مطلب ہے ———
فواحدۃً سے یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ ——— "جب ایک ہی بی بی ہے" ———
فانکحوا کے معمول ہونے میں تو مثنیٰ اور فواحدۃً دونوں برابر ہیں، پھر وہاں کیوں نہ کہا جائے کہ دو بیویاں ہیں۔ فواحدۃً کا نصب خود فانکحوا کے معمول ہونے پر دال ہے۔ اور وہ ایک مراد ہے جو بالفعل منکوحہ نہیں ہے بلکہ جس سے نکاح ہوگا، اور جب اس کا مفہوم یہ نکلا کہ بخوف عدم عدل ایک ہی سے نکاح کرو

تو پھر لاتعولوا سے جور دمیل ہی لینا انسب بلکہ اصوب ہے، کیونکہ انتفائے عدل ہی کا تو دوسرا نام جور دمیل ہے، ——— آئیے میں بتاؤں کہ دھوکا کہاں سے ہورہا ہے اور کس امر نے اسپر اکسایا کہ اسے جور دمیل کے معنی میں لینے والوں کا تمسخر کیا جائے؟

فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کا ترجمہ فرمایا جارہا ہے:-

"......... محرمات کے سوا ہر اجنبی عورت سے نکاح کرسکتے ہو جو پسند آئے، ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار، بشرطیکہ عدل قائم رکھ سکو، اگر ڈر ہو کہ عدل نہ ہوسکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو۔"
——— صفحہ ۲۳ سطر ۱۱

"بس ایک ہی پر اکتفا کرو" ——— اس جملہ کی یہ ساری کرامتیں ہیں، اور سمجھ لیا گیا کہ اس ایک پر جو پہلے سے زیر نکاح موجود ہے، اسکے بعد پھر کیا تھا، ارشاد فرما دیا گیا کہ:-

"فیل ہونے کا نہ کھٹکا پاس کرنے کی نہ فکر
امتحاں ہی تم نہ دو، لاکھ آئے وقت امتحاں"

ایسے برجستہ شعر یہ پر استدلالات کے دار و مدار رکھے جاتے ہیں اور لطف یہ کہ اس ترجمہ پر اتنا وثوق و اعتماد کہ لکھ دیا گیا ——— "بس صرف یہی صحیح ترجمہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا صحیح ترجمہ نہیں ہوسکتا" (صفحہ ۲۳ سطر ۱۳) ——— جور دمیل کے معنی لینے والے بے چارے تو استہزا کا شکار ہوگئے، درانحالیکہ ان غریبوں نے تو اس کا معنی جور دمیل مبیّن قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کردہ تفسیر کے مطابق لکھا، اور آپ اس کے مقابلہ میں لاتعولوا کی ایک دوسری تفسیر فرماتے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر و تقریر میں فرماتے ہیں کہ قرآن کی

تفسیر وتشریح رسولؐ ہی کا حق ہے، اور جب رسولؐ ایک مطلب ارشاد فرماتے ہیں تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے، ــــ کیا لاتعولوا کا معنی لغت واستعمال کی رو سے لاتجوروا ولاتمیلوا غلط ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کو حق کیا ہے کہ رسولؐ کی اس تشریح کو تسلیم نہ کریں، کیا یہ لاتجوروا مخالفِ لاتعولوا ہے؟ اور کیا الفاظ ولغت اور استعمالات اس کے متحمل نہیں؟ آخر کاوٹ کونسی ہے؟ بہرحال! مقصد یہ ہو کہ ان غریبوں کا تو مذاق اڑا دیا گیا، مگر خود اپنے ترجمہ کے ضعف بلکہ اس کی غلطی پر بھی غور کیا؟ وہ ترجمہ کہ صحت کا انحصار اسی میں فرمایا گیا؟ ــــ "جو پسند آئے" ــــ کے بعد یہ ایک ایک کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ قرآن میں تو ما طاب لکم کے بعد مثنیٰ ہے، ایک ایک (فرادیٰ) کا تو النساء اور مثنیٰ کے درمیان پتہ بھی نہیں، قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ محرمات کے سوا ہر اجنبی عورت سے نکاح کرسکتے ہو، جو پسند آئے، دو دو، تین تین، چار چار، اور اگر تمھیں خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو، جور ومیل سے بچنے کی ترکیب تو بتادی گئی یعنی ایک سے زیادہ کی صورت میں اس کا خطرہ ہو تو بس ترکیب یہ ہے کہ ایک ہی سے نکاح کرو۔ اب یہ خدا سے پوچھئے کہ بوقتِ خوفِ عدمِ عدل سرے سے نکاح ہی کو روک دیتا تو یہ بہترین ترکیب ہوتی اور جور ومیل (عدم عدل) کا دروازہ قطعی بند ہو جاتا، اس نے ایسا کیوں نہ کیا، ــــ اچھا ــــ "بس ایک ہی پر اکتفا کرو" ــــ ہی رکھئے، پھر بھی مذاق واستہزا کی سبیل نہیں نکلتی، کیا اگر کوئی اس طرح کہے تو مضحکہ خیز ہوگا کہ ہر اجنبی عورت سے نکاح کرسکتے ہو، جو پسند آئے، دو نکاح کرو، تین کرو یا چار کرو، بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکو، اور اگر ڈرو کہ عدل نہ ہو سکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو، (اس ایک پر جو پہلے سے موجود ہے) اور پھر دوسرا نکاح نہ کرو تاکہ (اس دوسرے

نکاح کی وجہ سے) جور ومیل (عدم عدل) نہ کرسکو ــــ اور پھر لاتعولوا کا یہ معنی لے بھی لیا جائے کہ:۔

"تاکہ تم مشقت میں نہ پڑو"

تو عدم مشقت کی یہ تعیین کس نص سے ہوگی کہ ــــ "بلا ادائے زرمہر"۔ باوجودیکہ فاتوھن اجورھن فریضۃ کی عام عبارۃ النص اس سے اباء کر رہی ہے، اور ــــ "حساب دوستاں در دل" ــــ انتزاع الشیئ بغیر منشاء انتزاع ہے، بلکہ خلاف منشاء انتزاع ہے ــــ "یہ عموم اور یہ اطلاق (ادائے زرمہر بہرحال) جو بدلیل قطعی مذکور ہے، اس کی تخصیص یا تقیید کس دلیل قطعی سے کی گئی ہے"؟ ــــ (درتمین صفحہ ۳۳ سطر ۱۰) اس کی پوری بحث آگے آئے گی ــــ عدم مشقت کی تو اس کے علاوہ بہتیری صورتیں ہیں، نفقہ، سکنیٰ، معاشرت، زرمہر کی قلت وکثرت کے اعتبار سے مشقتوں کے درمیان تفاوت پیدا ہوتے ہیں (اس پر بھی آگے روشنی ڈالی جائے گی) غرض! عدم مشقت کا معنی لے کر بھی ادائے مہر سے نجات نہیں اور لاتعولوا کا یہ فرد ہی نہیں، دوسرے گوشے نکلتے ہیں، لہٰذا مقصد تو اب بھی حاصل نہیں ہوتا ــــ اور سب سے پہلے تو لغت واستعمال کی رو سے عول کے معنی مشقت کے بتائے جانے چاہئیں اور لغتاً واستعمالاً اس کا ثبوت دینا چاہئے کیونکہ کوئی ایسا معنی مقبول نہیں ہوسکتا جس پر لغت واستعمال شاہد نہ ہوں، سب سے پہلے کسی معنی کے اختیار پر لغت واستعمال کی تائید دکھائی جاتی ہے، بہتر سے بہتر توجیہ رد کر دی جاتی ہے اگر لغت واستعمال اس کا ساتھ نہ دیتے ہوں، مگر یہاں اس کی جانب سے اعراض کیا گیا ہے۔

د:۔ اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس کو زرمہر جو ملے گا وہ اس کی ملک

تفسیر و تشریح رسولؐ ہی کا حق ہے، اور جب رسولؐ ایک مطلب ارشاد فرماتے ہیں تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے، ـــــ کیا لا تعولوا کا معنی لغت و استعمال کی روسے لا تجوروا و لا تمیلوا غلط ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کو حق کیا ہے کہ رسولؐ کی اس تشریح کو تسلیم نہ کریں، کیا یہ لا تجوروا مخالفِ لا تعولوا ہے؟ اور کیا الفاظ و لغت اور استعمالات اس کے متحمل نہیں؟ آخر کاوٹ کونسی ہے؟ بہر حال! مقصد یہ ہو کہ ان غریبوں کا تو مذاق اڑا دیا گیا، مگر خود اپنے ترجمہ کے ضعف بلکہ اس کی غلطی پر بھی غور کیا؟ وہ ترجمہ کہ صحت کا انحصار اسی میں فرمایا گیا؟ ـــــ "جو پسند آئے"، ـــــ کے بعد یہ ایک ایک کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ قرآن میں تو ما طاب لکم کے بعد مثنیٰ ہے، ایک ایک (فرادیٰ) کا تو النساء اور مثنیٰ کے درمیان پتہ بھی نہیں، قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ محرمات کے سوا ہر اجنبی عورت سے نکاح کر سکتے ہو، جو پسند آئے، دو دو، تین تین، چار چار، اور اگر تمھیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو، جور و میل سے بچنے کی ترکیب تو بتا دی گئی یعنی ایک سے زیادہ کی صورت میں اس کا خطرہ ہو تو بس ترکیب یہ ہے کہ ایک ہی سے نکاح کرو۔ اب یہ خدا سے پوچھئے کہ بوقتِ خوفِ عدمِ عدل سرے سے نکاح ہی کو روک دیتا تو یہ بہترین ترکیب ہوتی اور جور و میل (عدمِ عدل) کا دروازہ قطعی بند ہو جاتا، اس نے ایسا کیوں نہ کیا، ـــــ اچھا ـــــ "بس ایک ہی پر اکتفا کرو"، ـــــ ہی رکھئے، پھر بھی مذاق و استہزا کی سبیل نہیں نکلتی، کیا اگر کوئی اس طرح کہے تو مضحکہ خیز ہوگا کہ ہر اجنبی عورت سے نکاح کر سکتے ہو، جو پسند آئے، دو نکاح کرو، تین کرو یا چار کرو، بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکو، اور اگر ڈرو کہ عدل نہ ہو سکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو، (اس ایک پر جو پہلے سے موجود ہے) اور پھر دوسرا نکاح نہ کرو تا کہ (اس دوسرے

نکاح کی وجہ سے) جور و میل (عدمِ عدل) نہ کر سکو ـــــ اور پھر لا تعولوا کا یہ معنی لے بھی لیا جائے کہ:۔

"تا کہ تم مشقت میں نہ پڑو"،

تو عدمِ مشقت کی یہ تعیین کس نص سے ہوگی کہ ـــــ "بلا ادائے زرِ مہر"۔ باوجودیکہ فاتوھن اجورھن فریضۃ کی عام عبارۃ النص اس سے اباء کر رہی ہے، اور ـــــ "حساب دوستاں در دل"، ـــــ انتزاع الشئی بغیر منشاء انتزاع ہے، بلکہ خلاف منشاء انتزاع ہے ـــــ "یہ عموم اور یہ اطلاق (ادائے زرِ مہر بہر حال) جو بدلیلِ قطعی مذکور ہے، اس کی تخصیص یا تقیید کس دلیلِ قطعی سے کی گئی ہے"، ـــــ؟ (درثمین صفحہ ۴۳ سطر ۱۰) اس کی پوری بحث آگے آئے گی ـــــ عدمِ مشقت کی تو اس کے علاوہ بہتیری صورتیں ہیں، نفقہ، سکنیٰ، معاشرت، زرِ مہر کی قلت و کثرت کے اعتبار سے مشقتوں کے درمیان تفاوت پیدا ہوتے ہیں (اس پر بھی آگے روشنی ڈالی جائے گی) غرض! عدمِ مشقت کا معنی لے کر بھی ادائے مہر سے نجات نہیں اور لا تعولوا کا یہ فرد ہی نہیں، دوسرے گوشے نکلتے ہیں، لہٰذا مقصد تو اب بھی حاصل نہیں ہوتا ـــــ اور سب سے پہلے تو لغت و استعمال کی روسے عول کے معنی مشقت کے بتائے جانے چاہئیں اور لغتاً و استعمالاً اس کا ثبوت دینا چاہئے کیونکہ کوئی ایسا معنی مقبول نہیں ہو سکتا جس پر لغت و استعمال شاہد نہ ہوں، سب سے پہلے کسی معنی کے اختیار پر لغت و استعمال کی تائید دکھائی جاتی ہے، بہتر سے بہتر توجیہ رد کر دی جاتی ہے اگر لغت و استعمال اس کا ساتھ نہ دیتے ہوں، مگر یہاں اس کی جانب سے اعراض کیا گیا ہے۔

د:۔ اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس کو زرِ مہر جو ملے گا وہ اس کی ملک

ہوگا نہ کہ اس کے آقا کی، کیونکہ اگر وہ زرِمہر آقا کی ملک ہو جائے گا تو اس لونڈی سے نکاح کرنے والے نے ابتغاء بمال نہ کیا، بلکہ مال دیا تو آقا کو اور ابتغاء کیا لونڈی کے ساتھ .... اسی لئے قرآن میں حکم ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرو تو ان کے آقاؤں کی اجازت سے مگر ان کا مہر انہیں کو دو، فانکحوھن باذن اھلھن الآیہ (صفحہ ۱۷)........ اپنی ملک یمین سے نکاح کر لینے میں اس مشقت (یعنی ادائے زرِمہر کی مشقت) سے بالکل نجات ہو (یہ استنباط ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا سے کیا جا رہا ہے؟) یعنی لا تعولوا کے معنی ہیں تاکہ مشقت میں نہ پڑو بایں صورت کہ زرِمہر ادا نہ کرو) اس لئے کہ ایک پیسہ بھی دینا نہیں پڑتا، جو زرِفدیہ اس کے ذمہ واجب الادا ہو وہی زرِمہر بن کر بیباق ہو جاتا ہے، (صفحہ ۲۳)

اپنی ملک یمین سے نکاح کرنے کے لئے نہ کسی کی اجازت کی ضرورت ہے، نہ زرِمہر کے تعیین کی ضرورت، نہ سعی ادا کی ضرورت، صرف اس ملک یمین کو اطلاع و اعلان کی ضرورت ہو اور بس، ہاں اگر وہ مکاتبت کی درخواست کر دے تو پھر اس کو فراش بنانا جائز نہ ہوگا، اگر مکاتبت کی درخواست نہ کرے بلکہ کہنے سے بھی مکاتبت نہ کرائے تو پھر اطلاع و اعلان کے بعد فراش بنا سکتا ہے، (صفحہ ۲۵)

لونڈی اور غلام کو معاشی و اقتصادی ہر طرح کی پوری آزادی حاصل ہو۔ اسلام نے ان سے کسی معاشی و اخلاقی حق کو نہیں چھینا (صفحہ ۱۷ و ۱۸) فانکحوھن باذن اھلھن اس آیت میں نکاح

کو تو آقا کی اجازت پر موقوف رکھا، اس لئے کہ زرِمہر کی تعیین وغیرہ وہی کرے گا، چونکہ وہی زرِمہر زرِفدیہ کی حیثیت سے وصول ہوگا مگر زرِمہر دیا جائے گا اسی ملک یمین کے ہاتھ میں، وہ زرِمہر لیکر آقا کو اپنے زرِفدیہ کی حیثیت سے ادا کرے گی (صفحہ ۲۸) اگر آقا اپنی لونڈی سے نکاح کرے گا تو آقا زرِمہر ادا کرے گا اور لونڈی کے ذمہ زرِفدیہ آقا ہی کا باقی ہو، اس کا اس کے ذمہ باقی اور اس کا اس کے ذمہ واجب الادا، دونوں باہم حساب دوستاں در دل کر لے سکتے ہیں (صفحہ ۳۰)

ف:- "جب زرِمہر مملوکہ کی ملک ہے نہ کہ اسکے آقا کی" ——— تو جب آقا اس سے نکاح کر رہا ہے تو زرِمہر کے تعیین کی ضرورت کیوں نہیں؟ استمتاع بغیر ابتغاء بالمال ناجائز تو پھر سعی ادا کی حاجت کیوں نہیں؟ مملوکہ بالغہ ہے تو پھر خود اس کی اجازت اور اس کی خوشنودی و رضا کی ضرورت کیوں نہیں؟ اسلام نے اس سے کوئی حق چھینا تو ہے نہیں؟ ہو سکتا ہے وہ آقا سے نکاح کی خواہشمند نہ ہو، آقا سے وہ متنفر ہو، تو پھر کیا حق ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور بلا اس کی رضا حاصل کئے اور سعی ادائے زرِمہر کے بغیر محض اس کو اطلاع دے کر نکاح کر لیا جائے، نکاح کے لئے تو رضائے طرفین شرط ہے اور زرِمہر کی تعیین و تقرری ہر عورت کا پیدائشی حق، استمتاع کیا جا رہا ہے مگر اس غریب کو خبر بھی نہیں کہ اس کا اجر کیا مقرر کیا گیا ہے؟ لہٰذا یہ کہنا کہ:-

"اپنی ملک یمین سے نکاح کرنے کے لئے نہ کسی سے اجازت کی ضرورت نہ زرِمہر کے تعیین کی ضرورت ہے، صرف اعلان و اطلاع کی ضرورت ہے اور بس"

کس طرح درست ہوگا؟ خود اس کی اجازت و رضا کی ضرورت ہے، اور اسکی جانب سے زرِ مہر کی تقرری ہونی چاہئے۔ یہ اسکا حق ہے، اس حق کو چھین کر محسوب کرلینا کون سا انصاف ہے۔

اگر یہ "حساب دوستاں دردل" ادائگی ہے تو ایسی صورت میں جبکہ ایک شخص ایسی آزاد محصنہ سے نکاح کرے جو اس شخص کی مقروض ہے، تو کیا جائز ہوگا کہ وہ اس مقروضہ سے نکاح کرلے اور اس کی تصریح نہ کرے کہ رقمِ قرض زرِمہر میں محسوب ہوگی، اور اس سے اس کی اجازت بھی نہ لے، بلکہ چپکے سے نکاح کرلے، اور عند المطالبہ وہ اس سے کہدے کہ میں تو ادا کرچکا، وہ جو تمہارے ذمہ باقی تھا، وہ ساقط ہوگیا "حساب دوستاں دردل" کرکے میں نے نکاح کیا تھا۔ اگر یہ جائز نہیں تو پھر اپنی لونڈی سے نکاح کے وقت تعیین و تصریح اور اسکی اجازت کی حاجت کیوں نہیں؟ جب نکاح کا قدم آرہا ہے تو اس کے سارے لوازم آنے ضروری ہیں، رضا، رغبت، تقرری زرِمہر کے حقوق اس عورت سے کسی بنا پر غصب کئے جاسکتے ہیں، جس سے نکاح کیا جارہا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ آزادی جیسی نعمت کے مقابلہ میں وہ بہرحال تیار رہی ہو جائے گی، اس لئے (اصول مسلّمہ موضوعہ کے طور پر) اسے تیار و خوشنود ہی سمجھنا چاہئے ــــ تو یہ یک طرفہ ڈگری ہے۔ کیونکہ نکاح کے بعد تو وہ آزاد ہی ہوجاتی ہے، آقا خود نکاح کرے، یا کسی دوسرے سے اس کا نکاح ہو۔ ملاحظہ ہو۔

"درِ ثمین"، صفحہ ۳۰ سطر ۶:۔

"اگر آقا نے کسی دوسرے سے اس کا نکاح کردیا تو اس دوسرے شخص کے ذمہ جو لونڈی کا مہر ہوگا، وہ مہر لونڈی اس سے لیکر آقا کو زرِ فدیہ ادا کرے گی، چاہے جس وقت مہر لے......

نکاح کے ساتھ ہی وہ آزاد ہوگئی اور زرِ فدیہ میں گرو نہ رہی"

ــــــــ

اور جبکہ وہ آقا سے متنفر ہے اور اس سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تو لازمی طور پر از روئے آیت وانکحوا الایامیٰ منکم الآیہ ــــ اس کا نکاح کسی اور سے وجوباً[1] کرنا ہی پڑے گا۔

زرِمہر ملوکہ کی ملک ہے، اس لئے اگر آقا کے علاوہ کوئی دوسرا اس سے نکاح کررہا ہے تو مہر اس لونڈی ہی کے ہاتھ میں دینا ہوگا، اور وہ آقا کو دے گی ــــ مگر جب آقا خود نکاح کررہا ہے تو "حساب دوستاں دردل" ہو جائے؟ حتیٰ کہ تعیین کی بھی حاجت نہیں، آخر یہ کیوں؟ جب آتنے

[1] جیسا کہ والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم کی بحث کے سلسلہ میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

"لوگوں نے یہاں جاہلیت کی رسم کو تازہ کردیا ہو کہ قرآن کے اس حکم کو الامر للوجوب کے اصول کے خلاف بلا دلیل محض جواز و استحباب کے لئے قرار دیا۔ درِ ثمین صفحہ، سطر ۲۳

اسی طرح کہنے والا کہے گا کہ وانکحوا الایامیٰ الآیہ میں وانکحوا بصیغہ امر ہے اور الامر للوجوب کے اصول کے مدِ نظر لونڈیوں کا نکاح کردینا واجب ہوگا، اور جواز و استحباب "جاہلیت کی رسم ہے" ــــ

اور پھر نکاح ہوتے ہی وہ آزاد ہو ہی جائے گی، یوں اس کی آزادی تو رُکی رہے گی نہیں، پھر کیوں نہ اس کی رضا و آمادگی حاصل کرنی ضروری ہے جبکہ آقا خود اس سے نکاح کر رہا ہے۔

کے بھی روا دار نہیں کہ صورت اولیٰ میں وہ شخص اس لونڈی کے ہاتھ
میں نہ دے بلکہ آقا کو دیدے، اگر وہ ایسا کرے گا تو نا جائز ہوگا، حالانکہ
وہ جان رہا ہو کہ بالآخر شاید بایدز یستن، ناشاد بایدز یستن کے مثل
یہ رقم آقا ہی کے پاس جائے گی مگر حیلۂ شرعی یا طفل تسلی کے طور پر اسکے
ہاتھ میں دلوایا گیا، اور پھر وہ آقا کو دے گی، مگر جب آقا خود نکاح
کرا رہا ہے تو اشک شوئی کی بھی ضرورت نہ سمجھی گئی، اور محسوب کر کے
"حساب دوستاں در دل" کا فتویٰ دیدیا گیا، صورت اولیٰ میں اس کے
زوج کا اس کے آقا کو دینا وآتوھن اجورھن کے خلاف تھا اور
یہ محسوبیت؟ ——— "زرمہر دیا جائے گا اسی ملک یمین کے ہاتھ میں"
——— کی عین؟ یہاں یہی کہا ہوتا کہ آقا زرمہر اس کے ہاتھ میں دے گا کہ
تو یہ اپنا زرمہر، اور پھر وہ آقا کو لوٹا دیگی، یہ کہکر کہ لیجئے یہ زرفدیہ
حاضر ہے۔

اور پھر حساب دوستاں در دل" والی شکل میں ابتغاء بالمال کیونکر
ہوا؟ دوسرے سے نکاح کر دینے کی صورت میں تو اگر اس کا شوہر
زرمہر براہ راست آقا کو دیدے، تب تو ——— "مال دیا آقا
کو اور ابتغاء کیا لونڈی کے ساتھ"، ——— لہذا ناجائز ——— اور
حساب دوستاں در دل والی شکل میں، مال کس کو دیا؟ اس موقع پر
کہنے والا یہ کیوں نہیں کہہ سکتا کہ ——— مال تو لیا خود اور ابتغاء
کیا لونڈی کے ساتھ ——— کیا یہ جائز ہوگا؟ ———

نیز کیا ابتغاء بالمال کا مفہوم اور اس کی اسپرٹ یہی ہے؟
کہ مال مملوکہ کے ہاتھ میں دیدیا جائے، مگر اس کو اس پر حقِ تصرف حاصل
نہ ہو، (جبکہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح کیا گیا) اس غریب کی حیثیت محض لیٹر بکس
کی سی ہوئی، اس کے شوہر نے رقم اس کو دی، اس نے جوں کی توں آقا تک پہنچا
دی، کیا ابتغاء بالمال اسی کا نام ہے؟ اور کیا تبتغوا باموالکم کے حکم کی
روح اس صورت میں باقی رہتی ہے۔

اے وائے بہارے اگر این است بہارے

زرمہر اس کی ملک ہے، اور ملک پر اختیارِ تام حاصل ہوتا ہے، تو آقا کو
حق کیا ہے کہ وہ خود لے لے، اگر اس کا نکاح دوسرے سے کر رہا ہے، ———
زرمہر اس کی ملک ہو گی، اسے اختیار تام حاصل ہوگا، دے یا نہ دے ———
زبردستی و جبر کیوں؟ فرض کیجئے کہ وہ اپنی یہ ملک فدیتہً دے کر آزادی حاصل
نہیں کرنا چاہتی، بلکہ شوہر کو زرفدیہ کے لئے تیار کرے، یا شوہر کی کمائی سے
تھوڑا تھوڑا پیس انداز کر کے انتظامِ زرفدیہ کرے، آپ اس کے سر پر آزادی
کیوں تھوپ رہے ہیں؟ اِمّا فداءً کے بعد نہ قبضہ کئے رہنا حرام ہے؟
اور مملوک کی جانب سے جب زرفدیہ دیا جائے، تو فدیہ لیکر اُسے آزاد کر دینا واجب
ہے، وہ ابھی فدیہ دینے پر تیار نہیں، آپ اس کی ملک میں دست اندازی کیوں
کر رہے ہیں؟ اور آزادی اس کے گلے کیوں منڈھی جا رہی ہے؟ کیا جس طرح
مال العبد مال المولیٰ (بہ تحقیق آنجناب) غلط ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری
ہے کہ جہاں مملوک کے پاس مال ہوا، اور آپ نے آزادی اس کے گلے ڈال دی،
تب تو کوئی مملوک مالدار ہو کر مملوک رہ ہی نہیں سکتا، حالانکہ آپ خود اسکے
قائل ہیں کہ مملوک مملوک رہتے ہوئے صاحب مال رہ سکتا ہے (ملاحظہ ہو دو ثمین
از صفحہ ۶ تا صفحہ ۹)

اسی طرح یہاں مملوکہ کے پاس جو مال آیا، وہ اس کی ذاتی ملک ہے،

بلا شرکت غیرے وہ اس کی ملکیت ہے، آپ اس کی ملکیت میں دخل اندازی کرنے والے کون؟ ہاں، اگر وہ خود اپنی اس ملک کو دے کر آزادی حاصل کرنا چاہے تو آپ روک نہیں سکتے، مگر یہ کہاں کی زبردستی، کہ وہ چاہے دے یا نہ دے دینا چاہے یا نہ چاہے، آپ اس کا زرِ مہر لیکر آزادی اس کے حوالے کر دیں، زرِ فدیہ بخوشی دے یا نہ دے، دینے کی خواہش مند ہو یا نہ ہو، مگر اس کی ملک فدیتہً لے لیں، یہ تو مال العبد مال المولیٰ ہی ہوا، جو دوسرے روپ میں ظاہر ہوا، اور اگر مملوکہ کے ساتھ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ملک (زرِ مہر) لے کر آزادی اس کے سر منڈھ دی جائے، تو غلام کے ساتھ بھی ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ جہاں اس کے پاس فدیہ بھر مال ہو جائے، اس سے بعوض زرِ فدیہ وہ مال لیکر اسے آزادی سونپ دی جائے، کیا بوالعجبی ہے کہ ایک طرف (غلام کے لئے) تو یہ فرمایا جاتا ہے کہ:-

.... ضروری ہے کہ غلاموں کے پاس بھی مال ہو، کہ
اگر وہ نکاح کریں تو ابتغاء بمالہ کر سکیں۔ صفحہ ۷۱

اور مال العبد مال المولیٰ کو "شیطانی نص" قرار دیا جاتا ہے، اور غلام کو مالک مال، صاحبِ جائداد، گھر والا سب کچھ بنایا جاتا ہے، لیکن مملوکہ کی یہ ملک (زرِ مہر) غصب کرلی جا رہی ہے، آخر لونڈی صاحب مال اور مالک زرِ مہر ہو کر لونڈی کیوں نہیں رہ سکتی، کیا اس کا مال مال المولیٰ نہ بنا؟ ——— آخر یہ کونسی نص ہے؟

آیت صراحتاً دال ہے کہ زرِ مہر اسی کو ملے گا اور اس کی ملک ہوگا (جسے خود آنجناب بھی تسلیم فرماتے ہیں) آیت میں کہیں یہ نہیں کہ ——— اس کا اجر اس کے اہل کو جس کے اذن سے نکاح ہوا ہے زرِ فدیہ کے عوض ملیگا ———

ورنہ، جس طرح صفحہ ۷۱ کے منہیہ میں ارشاد ہوا ہو کہ:-

"اگر لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانے کا حق آقا کو حاصل ہوتا تو لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم نہ ہوتا (یا للعجب؟) بلکہ یوں کہا جاتا کہ تم اپنی لونڈیوں کو اپنا فراش بنالو، اگر نہیں بناتے تو کسی دوسرے سے ان کا نکاح کر دو۔"

اسی طرح یہاں کہا جاسکتا ہے کہ ——— اگر اس کا اجر و زرِ مہر فدیتہً آقا کو لینے کا حق ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ ان کے اہل کے اذن سے ان کا نکاح کر دو اور انھیں ان کا اجر بالمعروف دو، جسے وہ فدیتہً اپنے آقا کو دیدیں ——— محسوب کرنا، یا زرِ مہر کو زرِ فدیہ بنا کر اس کے ہاتھ سے آقا کو دلوانا قیاس ہی قیاس ہے، اور قیاس بھی نہیں، بلکہ محض جولانی فکر کا نتیجہ، ورنہ اگر قیاس ہوتا تو آیت میں کوئی تائیدی ٹکڑا دکھایا جاتا۔ اس کے برخلاف، منشاءِ آیت اگر یہ ہوتا کہ یہ زرِ مہر بالآخر زرِ فدیہ بنے گا تو اجورھن کا لفظ نہ ہوتا بلکہ ایسا لفظ ہوتا جو فدیہ کے مفہوم کو ظاہر کرے یا اس کی جانب مشیر ہو، ہاں، یہ تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ باذن اھلھن کے بعد اس خیال سے کہ کہیں اہل زرِ مہر پر قبضہ نہ کر بیٹھے وآتوھن اجورھن بالمعروف کی تنصیص کر دی، درانحالیکہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی، اسکے پیشتر ابتغاء بالمال کا حکم موجود تھا ——— فما استمتعتم بہ منھن پر ادائے مہر فاتوھن اجورھن فریضۃ کی تصریح کر کے مرتب کر دیا گیا تھا اور بتا دیا گیا تھا کہ نکاح بلا اجر و مہر نہیں ہوسکتا مگر پھر یہاں باذن اھلھن کے بعد اسی پیش بندی کی خاطر دوبارہ "وآتوھن اجورھن بالمعروف" فرمایا گیا، تاکہ اہل کسی طرح لینے

کا مجاز نہ ٹھہرے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ محض برائے نام ان کا اجر ادا انکی ملک ہے، اس ملک سے متمتع ہونے کا انھیں کبھی موقع ہی نہیں مل سکتا، جب بھی کسی ملک یمین کا کسی سے نکاح ہوگا، وہ زر مہر سے محروم رہے گی، یعنی اس سے متمتع نہیں ہو سکتی، (اور پھر بھی مال العبد مال المولی رسم جاہلیت ہے؟)

نیز جبکہ بہر موقع اس کا اجر اس کے قبضہ سے نکل جاتا ہے تو فان طبن لکم من شئ منہ نفسا فکلوہ ھنیئا مریا۔ ملک یمین کے غریب شوہروں کے لئے ناممکن العمل ہی ہوگا، کیونکہ اس کا موقع ہی نہیں آسکتا کہ وہ بے چاریاں بطیب خاطر شوہروں کو کچھ دے سکیں۔ اس لئے کہ حضرۃ آقا (اہل) اجر ملوکہ لے لیں گے اور یہ آیت ملوکہ اور اس کے شوہر کے لئے کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح لا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ لغو ہی رہے گا، کیونکہ آقا نے اپنے وقت تو "حاب دوستاں در دل" کر لیا اور دوسرے سے نکاح کر دینے کی صورت میں زر فدیہ بنا کر آقا کو دلوا دیا گیا دوسرے سے نکاح کر دینے کی شکل میں وہ اپنے اجر میں سے کچھ معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے؟ وہ اور اس کا شوہر آپس کی رضامندی سے اس اجر مفروض میں کمی بیشی کر سکتے ہیں؟ اور "حاب دوستاں در دل" کی صورت میں تو تحقق فریضہ ہی نہیں ہوا، چہ جائیکہ بعدیت کا درجہ آئے، اور پھر آپس کی تراضی کا مرحلہ۔ اور بجائے اسکے کہ فان طبن لکم ہوتا "حاب دوستاں در دل" کرنے والے آقا نے "بغیر مشقت میں پڑے"، "ادائے زر مہر کئے بغیر"، "بسعی ادا کی زحمت اٹھائے بغیر"، "تعیین و تقرری مہر کئے بغیر"، طیب خاطر کو اپنے واسطے الاٹ کرا لیا، —— کیا یہی تراضیتم کا منشا ہے؟ اور کیا نکاحِ امۃ کی صورت میں کبھی بھی فیما تراضیتم الآیہ اور

فان طبن الآیہ کے مصادیق نکل سکتے ہیں؟ کیا محسوبیت ادائگی ہے؟ محسوب کرنے کے لئے کونسی نص صریح ہے؟ ادائگی کے واسطے تو صراحۃ نص ہے، زر مہر کو زر فدیہ بنا کر آقا کو دلوا دینے کے واسطے (جبکہ ملوکہ کا نکاح دوسرے سے کیا جا رہا ہے) کونسی نص صریح ہے، —— فقہا پر تو برستے ہوئے یہ الزام کہ:۔

"جو اطلاق بدلیل قطعی مذکور ہو، اگر اس کی تخصیص یا تقئید ہو سکتی ہے تو وہ بھی قطعی ہی دلیل سے"۔ (صفحہ ۴۳ سطر ۲۰)

اور اپنے دعاوی کے وقت —— ان نصوص صریحہ کے اس اطلاق (ابتغاء بالمال بوقت نکاح، ادائگی وسعی ادائے زر مہر) کو جو بدلیل قطعی مذکور ہے، صرف حرائر کے لئے رکھا جا رہا ہے، اور اپنی ملک یمین سے نکاح کرنے کے وقت محسوبیت، بلا ادائے زر مہر، بغیر تعیین زر مہر کا حکم لگا کر عام کی تقئید کی جا رہی ہو، ابتغاء بالمال عام ہے، ادائے زر مہر عام ہو فان طبن لکم الآیہ عام ہے، لا جناح علیکم فیما تراضیتم عام ہو فاتوھن اجورھن فریضۃ عام ہے وا توھن اجورھن بالمعروف عام ہے تو جب عام اور مطلق بدلیل قطعی کی تخصیص قطعی دلیل ہی سے ہو سکتی ہے تو "حاب دوستاں در دل" کر لینے یا زر مہر کو زر فدیہ بنا کر (دوسرے سے نکاح کی شکل میں) آقا کو دلوا دینے کی کونسی دلیل قطعی ذکر کی گئی ہے۔ لا تعولوا سے محسوبیت لی گئی۔ کیا اسی کا نام دلیل قطعی ہے؟ اس کا معنی عدم مشقت[1] اولاً تو بدلیل قطعی ثابت

---

[1] اولاً تو عول کا معنی مشقت از روئے لغت و استعمال ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا اس کا معنی صرف مشقت ہی ہے یا اور بھی، اگر دوسرا معنی بھی ہے، تو پھر مشقت کس دلیل قطعی سے؟

کیجئے، پھر عدم مشقت کا مطلب "بلا اداے زرِ مہر" بدلیل قطعی ثابت کیجئے۔ اور پھر ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کو او ما ملکت ایمانکم کے ساتھ بدلیل قطعی متعلق ثابت کیجئے۔ غرض یہ کہ ان نصوص عامہ مطلقہ کی تخصیص و تقئید کے لئے کوئی نصِ رحمانی پیش کی جائے۔

تنگ نظر فقہائے کرام میں تو "انصاف، رواداری، اور حق شناسی کا مادہ نہیں"۔ (صفحہ ۳۳ سطر ۲) مگر یہاں انصاف و رواداری اسی میں سمجھی گئی کہ اس کی ملک (زرِ مہر) یا تو محسوب کر لی جائے یا آقا کو دلوا کر اسے محروم کر دیا جائے اور کسی حال میں کبھی بھی اسے اپنے زرِ مہر سے نہ خود متمتع ہونے کا موقع دیا گیا اور نہ اسے حق دیا گیا کہ وہ بطیب خاطر اس میں سے کچھ شوہر کو دے سکے۔ اور حق شناسی کا مظاہرہ یوں کیا گیا کہ "حساب دوستاں در دل" کرتے ہوئے نہ سعی ادا کی ضرورت سمجھی گئی، نہ تعیین زرِ مہر کی، اور نہ بوقت نکاح (جبکہ خود آقا کرے) اس سے استمزاج کیا گیا اور نہ اس کی رضا کی تحصیل کی حاجت ہوئی، اور لطف یہ کہ ان تمام ضروری ارکان و شرائط نکاح کے فقدان کے باوجود نکاح اپنی پوری حقیقت کے ساتھ صدق پذیر ہے۔

باقی رہا یہ کہنا کہ ——— "نکاح ہوتے ہی وہ آزاد ہو گئی، مہر مؤجل ہو یا معجل، یہ قصور آقا کا ہوگا (کہ اس نے مہر مؤجل کیوں رکھا) اس کی آزادی

---

[۱] کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ لا تعولوا کا معنی مشقت میں نہ پڑو، اگر ہو بھی، تو بھی عدم مشقت کے حصر "بلا اداے زرِ مہر" ——— کے لئے کون سی قطعی دلیل ہے۔ عدم مشقت باعتبار حرائر کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہر کی تنصیف ہو، اور دیگر حقوق کی ادائگی میں سہولت ذمہ داری ہو۔

کیوں رکی رہے گی"۔ (صفحہ ۳۰) ——— فی نفسہ یہ ایک ایسا تخیل ہے، جس کی زد ایک دوسرے نص پر پڑ رہی ہے، اور اس ظن و تخمین کے تسلیم کر لینے پر قرآن کا ایک حکم منصوص منہدم ہو رہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ انشاءاللہ

د:۔ البتہ ان کی تعداد معین نہیں کی گئی ہے، صرف اس لئے کہ جتنی ملک یمین بھی نکاح میں آئیں گی، سب کی سب آزاد ہو جائیں گی اور سب کا زر فدیہ زرِ مہر بن کر ادا ہو جائے گا، اس لئے فک رقبہ کی ایک صورت یہ بھی ہے، اس کو محدود کیوں کیا جائے، نکاح کرنے والا کنتوں کو اپنے مصرف میں رکھے گا، جس جس سے طبیعت سیر ہو جائے گی، طلاق دیکر آخر اس کو آزاد کر ہی دے گا، کیونکہ فتذروھا کالمعلقۃ کے مطابق اس کو بالکل معلق رکھے گا تو نہیں، وہ اس سے آزاد ہو کر اپنی دوسری راہ نکالیں گی۔ مگر قید سے تو رہائی پا جائیں گی۔ صفحہ ۲۵ و ۲۶

ت:۔ چند مقدمات ذیل کے آئینہ میں عبارت متذکرہ بالا کی صورت ملاحظہ فرمائی جائے کہ کتنی بھیانک اور کتنی غلیظ نظر آتی ہے، اور کتنے بڑے فتنے کا دروازہ کھولا گیا ہے۔

۱۔ ارشاد ہوا ہے کہ ملک یمین کا زیر نکاح آنا ہی اس کی آزادی ہے، چاہے آقا خود نکاح کرے اور "حساب دوستاں در دل" کر لے، یا کسی اور سے نکاح کر دے مہر مؤجل پر یا مہر معجل پر (ماخوذ از صفحہ ۲۸، ۲۹، ۳۰)

۲۔ ملک یمین سے نکاح کے لئے تعداد متعین نہیں، دو چار، دس پندرہ چاہے جتنی مملوکہ کو تحت النکاح لائے اور رکھے، جائز ہے (ص ۲۵-۲۶)

۳۔ ملک یمین سے نکاح ہو جانے پر (یعنی مملوکہ کا کسی کی منکوحہ ہو جانے پر)

اس میں اور منکوحۂ آزاد محصنہ میں کوئی فرق نہیں، حقیقۃً وشرعاً دونوں ازواجِ آزاد محصنہ ہیں، دونوں کے حقوق یکساں ہیں، فرق کرنا انسانی مساوات کا خون کرنا ہے (ماخوذ از صفحہ ۲۱-۲۵-۲۸)

اب ذرا منکوحہ آزاد محصنہ کے کچھ حقوق واحکام نکاح از روئے قرآن ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ چار سے زیادہ نکاح حرام ہے۔

۲۔ چار کی موجودگی میں پانچویں کو زیر نکاح لانا ہی حرام ہے، خلوت صحیحہ یا مباشرت کی نوبت آئے یا نہ آئے۔

۳۔ چار نکاح کرنے کے لئے تعقیبات و وقفاتِ معیّنہ شرط نہیں، ایک ہی مجلس میں چار عورتوں سے بیک روز نکاح کیا جاسکتا ہے، ایسا ضروری نہیں کہ ایک سے پہلے کرے، اسکے کچھ دنوں کے بعد دوسرا نکاح کرے پھر کچھ زمانہ گزرنے پر تیسرا، علیٰ ہذا القیاس چوتھا، غرض کسی خاص میعاد کی قید ایک سے زیادہ نکاح کے لئے ضروری نہیں۔

۴۔ ماسبق منکوحہ سے طبیعت کے سیر ہوجانے پر دوسرا، تیسرا یا چوتھا نکاح موقوف نہیں۔

۵۔ عدل ضروری ہے۔

اب فرض کیجئے کہ زید صاحب استطاعت ہے، دس پندرہ افراد کی کفالت کرسکتا ہے، اس کے پاس زر فدیہ میں پانچ ملک یمین (آمای) گرد ہیں، پانچوں مسلمان ہیں، ایک دن پانچوں کو بلا کر اور سب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں تم پانچوں کو فراش بنانا چاہتا ہوں اور تم پانچوں کو نکاح میں لاتا ہوں، کوئی مکاتبت کی خواہش نہیں کرتی، بلکہ مکاتبت

کے لئے دریافت کرنے پر بھی پانچوں نفی میں جواب دیتی ہیں، اب وہ اعلان کر دیتا ہے، چلئے نکحت قبلت ہوگیا، سب کے زر مہر "حاب دوستاں در دل"، ہو کر زر فدیہ بن گئے۔ بلا ادائے زر مہر اور بغیر کسی کی اجازت کی ضرورت کے، بلا مشقت میں پڑے اس نے پانچوں سے نکاح کرلیا، ——— نکاح ہوتے ہی پانچوں آزاد محصنہ منکوحات وازواجِ زید ہو گئیں ؟— پانچویں منکوحہ آزاد محصنہ از روئے شرع ناجائز، مگر آپ کے نزدیک یہ پانچویں آزاد محصنہ منکوحہ جائز ——— پھر پانچوں سے وہ مباشرت کرتا ہے، ابھی کسی سے اس کی طبیعت سیر نہیں ہوئی ہے، عدل کا سوال بعد میں آئیگا زید کی پانچوں ازواج آزاد محصنہ ہیں شرعاً وحقیقۃً ؟ کہنے کو انھیں ما ملکت ایمانُ زیدٍ کہہ لیجئے کیونکہ زمانۂ ماضی میں وہ سب زید کی مملوکات رہ چکی ہیں، مگر اب تو پانچوں آزاد محصنہ منکوحاتِ زید ہیں، بس اولاً تو پانچویں کا منکوحہ ہونا ہی حرام تھا، مزید براں ان سبھوں سے زید نے مباشرت بھی کرلی، اس کا یہ فعل زنا تو ہوگا نہیں، مسافحت یا اتخاذ الاخدان بھی نہیں، صرف چار ازواجِ آزاد محصنہ سے (زیادہ سے زیادہ) استمتاع کا اذن ہے، پانچویں آزاد محصنہ سے مباشرت کس شمار میں ہوگی ؟ اور پھر آگے بڑھئے، مہینوں گزر گئے، اور پانچوں آزاد محصنہ منکوحاتِ زید ہنوز اس کے تحت النکاح ہیں، سب کے درمیان عدل کر رہا ہے، کسی سے اس کی طبیعت سیر نہیں ہوئی ہے، کیا ایسی حالت میں زید اس کا مصداق نہ ہوگا ؟ کہ اس کی پانچ ازواج آزاد محصنہ عند الشرع اور حقیقتاً ہیں ؟، ——— تخیلات کی دنیا بسانی اور شئے ہے، لونڈیوں سے ہمدردیاں اور بات، ان کے لئے جذباتِ عتق وفک رقبہ محمود، مگر اس

رو میں یہاں تک بہہ جانا کہ عملاً نتائج و آثار کے لحاظ سے ایک حکمِ منصوص پر ضرب لگ جائے اور عملی حیثیت سے ایسی صورت کا پیدا کر دینا کہ ایک حکمِ منصوص منہدم ہو کر رہ جائے، کہاں کی قابلِ ستائش تحقیق و تدبرِ قرآنی ہے؟

تصویر کا ایک یہ رُخ بھی ملاحظہ فرمائیے، زید کی پانچ لونڈیاں ہیں

ؔ واضح رہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء .... او ما ملکت ایمانکم پر بحث کے سلسلہ میں تحریر تو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”یہ آیت اپنی ملک یمین سے نکاح ہی کرنے کے لئے نص صریح ہے“ ــــ مگر میں نے بالمشافہ دریافت کیا تھا کہ یہاں او ما ملکت ایمانکم میں اپنی ہی ملک یمین سے نکاح ہی کرنے کے نص صریح ہے، یا اپنی ہو یا غیر کی، ؟ ــــ تو جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ ”میرا مقصد تو یہ ہے کہ اپنی لونڈیاں یہاں یقیناً مراد ہیں، اب اگر اپنی یا غیر کی، دونوں کوئی مراد لے تو لے سکتا ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں، مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ محض دوسرے کی ملک یمین سے نکاح اس آیت میں مراد نہیں ہے، حتیٰ کہ اپنی ملک یمین کو بلا نکاح فراش بنانا جائز ہو جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کی ملک یمین سے یہ آیت نکاح ہی کے لئے نص ہے، اسی طرح اپنی ملک یمین سے بھی نکاح ہی کرنے کے واسطے نص ہے، حصر اپنی ملک یمین کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ نکاح کے ساتھ ہے، یعنی جس طرح غیر کی مملوکہ سے استمتاع نکاح ہی کے ذریعہ جائز ہے، اسی طرح اپنی ملک یمین سے استمتاع نکاح ہی کے ذریعہ جائز ہے اور یہ آیت اسکے لئے نص صریح ہے“ اور پھر چار کی تحدید جو اٹھائی گئی ہے، وہ خود اس امر پر دال ہے، کیونکہ نساء (حرائر) سے نکاح کے وقت تو دیکھا گیا کہ مثنیٰ و ثلاث وغیرہ ہے مگر ما ملکت ایمانکم کے بعد نہیں ہے، اس لئے ارشاد ہوا کہ ”البتہ انکی تعداد معین نہیں کی گئی ہے“ (باقی صفحہ ۶۱ پر)

بکر ان پانچوں سے نکاح کرتا ہے، پانچوں بکر کی منکوحاتِ آزاد محصنہ ہو گئیں مہر موجل ہو مہر معجل نکاح ہوتے ہی وہ سب کی سب آزاد ہو گئیں، زید کی باعتبار زمانۂ ماضی کے پانچوں مملوکہ تھیں، اب نہ رہیں، فک رقبہ ہو رہا، بکر کی جس سے طبیعت سیر ہو جائے گی، طلاق دیکر الگ کر دے گا، اور پسری طبع کا جب مرحلہ آئے گا دیکھا جائے گا، اس وقت وہ سب قید سے تو نجات پا گئیں قرآن کا ایک حکم منصوص منہدم ہو گیا، تو کیا ہوا؟ ان پانچوں کے حق میں یہ تدبر قرآنی رحمت تو بن گئی، ــ فیا للعجب ــــــــ سارے علماء اور سارے فقہا و ائمۂ مجتہدین نے ــــ جن پر ”مال العبد مال المولیٰ کی شیطانی نص نازل ہوئی تھی“، (حسب تحریر ورثین صفحہ ۱۶ سطر ۲۴ و صفحہ ۲۳ سطر ۹)

(بقیہ صفحہ ۶۰) اور ظاہر ہو کہ جس طرح کسی حرہ سے نکاح کے وقت فانکحوا ما طاب لکم من النساء صادق آرہا ہے، اسی طرح کسی بھی ملک یمین سے اپنی ہو یا غیر کی نکاح کے وقت (فانکحوا) ما ملکت ایمانکم صادق آرہا ہے، اول الذکر شکل (حرائر سے نکاح) میں چونکہ مثنیٰ و ثلاث وغیرہ ہے، اس لئے تحدید کے قول پر مجبوری ہوئی، اور ثانی الذکر صورت (ما ملکت ایمانکم سے نکاح) میں چونکہ اس کے بعد مثنیٰ و ثلاث وغیرہ نہیں ہے، اس لئے فتویٰ دیا گیا کہ

”البتہ ان کی تعداد معین نہیں کی گئی ہے“

اور جب ارشاد نکاح بہرحال قاطع رقیت ہے، اپنی ملک یمین سے اعلان فراش یعنی نکاح کیا جائے یا کسی دوسرے سے اپنی ملک یمین کا نکاح کر دیا جائے بہرحال نکاح ہوتے ہی وہ آزاد محصنہ زوج کے صف میں شمار ہو گی۔ اور تحدید دونوں صورتوں میں نہ ہو گی۔

اور عقل سلیم سے محروم، اور فہم و بصیرت سے عاری" تھے، "عہد جاہلیت کی ظالمانہ وسافحانہ ذہنیت کا ثبوت دے کر "شہوت پرستی" کی تعلیم دیتے ہوئے، اسلام کو اغیار کی نگاہوں میں ذلیل کیا تھا، اور دامن اسلام پر سیاہ دھبہ لگا دیا تھا، اس دھبہ کے مٹانے کی خاطر ایک "نص صریح" کے ذریعہ اسلام و قرآن کی حقیقی تعلیم و ہدایت آشکارا کی گئی اور دنیا کو بتا دیا گیا کہ لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانا عہد جاہلیت کی سافحانہ رسم ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں اور اسلام عیاشیوں کو پسند نہیں کرتا، ہاں، نکاح کرکے انھیں آزاد محصنہ ازواج بنا کر اجازتِ استمتاع دیتا ہے، اور اجازت دیتا ہے کہ دس پندرہ بیس جتنی چاہو آزاد محصنہ ازواج تحت الید رکھے بایں طور کہ درجنوں لونڈیوں سے نکاح کرلے جو نکاح ہوتے ہی آزاد محصنہ ہو جائیں گی، اور یہ عیاشی و شہوت رانی مطلقاً نہیں ہے۔ "عیاشی و شہوت رانی" درجنوں عورتوں سے تعلقات رکھنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کا نام ہے کہ "حساب دوستاں دردل" نہ کہ یاد و سرے کی مملوکہ سے نکاح کے وقت تحت قبلت کا مرحلہ نہ آئے، ورنہ اگر یہ کرلیا تو تعداد چاہے جتنی بھی ہو، ان سے مباشرت کرتا رہے، سیکڑوں سے استمتاع کا فعل ہوتا رہے (اور لطف یہ کہ سب کی سب آزاد محصنہ ہی ہوں گی) بالکل جائز ہوا اور عیاشی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہوگا۔ ساتھ ہی ارشاد کردہ "نص صریح" سے قرآن کے ایک حکم منصوص پر ضرب کاری لگ گئی اور نکاح ہوتے ہی آزاد محصنہ قرار دیکر تحدید اٹھا دینے اور سب کو آزاد محصنہ گردان دینے سے قرآن کے ایک حکم منصوص کا جو انہدام ہو گیا، تو کوئی بات نہیں، فک رقبہ کے ثواب سے تو محرومی نہ ہوئی۔ اور سیکڑوں بیچاری

قید سے تو نجات پا گئیں ——— وھذا من قبیل الھرب من المطر والوقوف تحت المیزاب کیا اب کسی "مدبر قرآن" کو سخت حیرت نہ ہوگی کہ یا اللہ یہ مسائل اور یہ اجازتیں واقعی دین اسلام کی ہیں یا کسی اور مذہب کی"؟

اجلۂ مفسرین و ائمۂ دین، فقہائے کرام اور مجتہدین عظام کے ساتھ ٹھہرا اور انھوں نے محض خالصۃً للہ دین و ملت کے لئے قلوب کے گوشہ گوشہ میں خشیۃ الٰہی رچا کر اور زہد و اتقاء کے پیکر بن کر کتاب و سنت میں تدبر و تحقیق اور اجتہاد کی خاطر شب و روز جو عرق ریزیاں کیں، اُن کے ساتھ تمسخر، ان کی تذلیل، انھیں شیطانی تسویلات میں مبتلا بتانے، اور انھیں سافحانہ رسم جاہلیت کے فروغ دہندہ قرار دینے کا انتقام قدرت نے کس عمدگی سے لیا کہ ایسی بات زبان سے کہلوا دی کہ درمتین کی عبارتیں بضاعتنا ردّت الینا بزبان حال کہہ رہی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

د:۔ اطلاع و اعلان کے بعد وہ آزاد ہو گئی، اور اب یہ عام ازواج کی طرح ازواج میں داخل ہے۔ چاہے عرف عام میں اسکو ملک یمین ہی کہا جائے، جس طرح آج ہندوستان میں بیاہی بی بی اور نکاحی بی بی کا فرق و امتیاز موجود ہے، مگر حقیقۃً وشرعاً کوئی فرق نہیں، قرآن نے عرف عام کا خیال کرتے ہوئے اس اصطلاح کو قائم رکھا اور بس۔ صفحہ ۲۵ ———

البتہ بعض امور میں عام ازواج اور ملک یمین میں فرق ضرور ہے مثلاً ازواج کے لئے تحدید ہے، ان کے لئے نہیں، صفحہ ۲۵

محاورے میں ملک یمین کا استعمال | یہ لفظ بھی ازواج کی طرح

کئی معنی میں مستعمل ہے، یعنی جس طرح زوج کا اطلاق منگیتر وغیرہ پر ہوتا ہے، اسی طرح ملک یمین بھی ہے کہ جب اس سے نکاح ہو چکا تو اب وہ آزاد محصنہ ہے اور درحقیقت وہ عند الشرع ازواج میں داخل، مگر چونکہ پہلے ملک یمین تھی اسلئے اس کو ملک یمین کہتے ہیں اسی اعتبار سے .... الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (سورۂ مومنون) میں بھی وہی مجازی ملک یمین مراد ہے، جو اب نکاح کی وجہ سے آزاد محصنہ بن چکی ہے مگر پہلے ملک یمین تھی (صفحہ ۲۷ و ۲۸) اگر آقا نے کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیا تو بھی وہ آزاد ہو گئی، کیونکہ اس کا زر مہر زرِ فدیہ بن کر آقا کو مل جائے گا، اگرچہ آقا نے مہر موجل رکھا ہو، یہ قصور آقا کا ہے کہ اس نے تاخیر روا رکھی، اس کا اثر ملک یمین غریب پر کیوں پڑے گا (ص۳) قرآن میں ازواج کا لفظ منگیتر (ولا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن میں) اور بعول کا لفظ طلاق دینے والے شوہروں (وبعولتھن احق بردھن میں) پر بولا گیا ہے، تو کیا عورتیں اپنے منگیتروں وغیرہ سے بھی حفاظت فروج نہ کریں گی؟ —— اسی طرح ملک یمین سے بھی وہی ملک یمین مراد ہو گی جس سے وہ نکاح کر چکے ہیں (جس طرح یہاں ازواج سے منکوحہ ہی مراد ہیں) .... ورنہ اگر عموم لفظ سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے (یعنی ملک یمین سے حقیقی معنی میں ملک یمین مراد لی جائے) تو گذشتہ تصریحات سے ثابت ہو چکا کہ اس سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں (منگیتروں وغیرہ سے

بھی عورتوں کا عدم حفاظت فروج لازم آتا ہے) (ص۲۷) ——

ت:- عموم لفظ کی یہ تردید مغالطہ سے خالی نہیں، —— یہ کون کہتا ہے کہ نفس زوج کا لفظ جہاں آ جائے گا، بیوی کا معنی دے گا، اور نہ یہ کسی کا قول ہے کہ صرف شوہر ہی کے معنی ہوں گے، لغوی حیثیت سے تو زوج کے معنی جوڑے ساتھی، قرین کے ہیں، حیوانات و نباتات وغیرہ کے لئے بھی زوج[1] کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے معنی میں استعمال کئے جانے کی کیا صورت ہوتی ہے؟ ——

اس کے لئے استقرائی کلیہ —— جو قرآن کی عادت جاریہ ہے — حسب ذیل ہے:-

۱- جب شوہر کے معنی میں لینا ہوتا ہے، اور افادیتِ تخاطب عورتوں ہی وابستہ ہوتی ہے، سوقِ کلام صرف انھیں کے لئے ہوتا ہے، تو ضمائرِ مونث (ھن، ھا وغیرہ) کی طرف مضاف کیا جاتا ہے، جیسے ازواجھن۔

۲- جب تخاطب مردوں ہی کے ساتھ ہو، تعلق کلام صرف مردوں ہی سے وابستہ ہو، تو ایسے مواقع پر جب بیوی (منکوحہ) کے معنی میں استعمال کرنا ہوتا

---

[1] اور جب زوج کا اطلاق حیوانات و نباتات سب کے لئے ہوا ہے، قرین و ساتھی کے معنی میں بولا گیا ہے تو عموم لفظ کی تردید منگیتر اور طلاق دینے والے شوہروں ہی کے ذریعہ کیوں کی جائے، یوں بھی کیوں نہ اس کی تردید فرما دی گئی کہ چونکہ حیوانات پر بھی اسکا اطلاق ہوا ہے، اس لئے کیا اُن سے بھی عورتیں (یا مرد) حفاظت فروج نہ کریں گی؟ اور چونکہ یہ لفظ قرین اور ساتھی کے لئے بھی بولا گیا ہے، اس لئے کیا مرد یا عورتیں اُن سے بھی حفاظت فروج نہ کرینگی؟ چلئے عموم لفظ کی تردید ہو گئی، اور عظیم الشان خرابیاں لازم آ گئیں؟؟

ہی تو ضمائر مذکر کی طرف مضاف کیا جاتا ہے جیسے امسک علیک زوجک
وغیرہ۔

۳۔ جب تعلقِ کلام مردوں کے ساتھ ہو، اور کلام انھیں سے وابستہ ہو
اور ان کی ہونے والی بیویوں کے بارے میں کچھ کہنا ہوتا ہے تو مضاف الیہ
محذوف کرکے مطلقاً زوج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسے ان یبدلنا
ازواجاً خیرا منکن وغیرہ ——

۴۔ اسی طرح جب تعلق کلام صرف عورتوں کے ساتھ ہو، اور کلام
انھیں سے وابستہ ہو اور اُن کے ہونے والے شوہروں کے بارے میں کچھ کہنا ہوتا
ہے تو اس وقت بھی حذف مضاف الیہ کرکے مستعمل ہوتا ہے، جیسے حتیٰ تنکح
زوجاً غیرہ وغیرہ ——

بظاہر لا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن سے قاعدہ ۱ کا
بطلان ہوتا ہے، (اور دلیل میں یہ آیت پیش بھی کی گئی ہے) لیکن اگر ذرا عمیق نظر
ڈالی جائے، تو اصلیت و حقیقت واضح ہو جائے گی، یہ آیت منگیتروں کے لئے
نہیں ہے، بلکہ اُن شوہروں کے بارے میں ہے، جو دو طلاقیں دے چکا ہے،
اور اسپر دلیل متصلاً اذا تراضوا کا جملہ ہے، (اگرچہ سبب نزول سے قطع نظر کر لیا
جائے) اسی طرح وبعولتھن احق بردھن میں لفظ بعول اُن شوہروں
کے لئے ہے جنھوں نے ایک طلاق دی ہے (اور سوق کلام اور سلسلہ بحث بھی
خود اس امر پر دال ہے، کیونکہ کلام طلاق کے لئے چل رہا ہے، اور اسی سلسلہ
میں مذکورہ دونوں آیات ہیں) اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں (دو طلاق دینے والے
اور ایک طلاق دینے والے شوہر) ابھی زوجیت سے بالکلیہ نہیں نکلے ہیں،
غایت مانی الباب یہ کہ ایک مانع (طلاق) آگیا ہے، اور وہ مانع مغلظہ نہیں ہے

جس طرح حالت اعتکاف ایک مانع ہے، یا جس طرح ظہار ایک مانع ہے، کہ جبتک
اعتکاف باقی رہے اور جب تک فدیۂ ظہار ادا نہ ہو جائے قربت نہیں کی
جاسکتی اسی طرح یہ مانع (ایک طلاق یا دو طلاقیں) موجود ہے، اور یوں حفاظت
زوج ضروری ہے۔ رجعت اس مانع کا رفع ہے، جس طرح فدیۂ مقررہ مفصلہ
رفع ظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیسری طلاق کے بعد جب شوہر نے کوئی قسمہ لگا نہ چھوڑا
تو حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ (بلا ترکیب اضافی) کہا، نہ کہ حتیٰ تنکح
ازواجھن غیرھم —— اور پھر زیادہ سے زیادہ قاعدہ ۲ کلیہ نہ رہا،
مگر اس کی وجہ سے اس آیت (والذین ھم لفروجھم حافظون الا
علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم الآیۃ) پر نقض وارد نہیں ہوتا،
کیونکہ یہ آیت صرف مردوں کے لئے ہے، اور کلام مردوں[1] ہی کے ساتھ وابستہ ہے
اور یہ کلیہ ہے کہ جب مردوں ہی کے ساتھ کلام کی وابستگی ہو اور ضمائر مذکر
(ھم، کم وغیرہ) کی طرف کرکے قرآن لفظ زوج لاتا ہے، تو منکوحہ بیوی ہی
مراد ہوتی ہے، کوئی ایسی مثال نہیں جہاں مطلقہ کو ازواجھم وغیرہ کہا گیا
ہو، یا ہونے والی بیوی کے لئے ازواجھم وغیرہ استعمال کیا گیا ہو، ہر جگہ ہونے
والی منکوحہ کے لئے بلا اضافت ہی استعمال ہوا ہے، جیسے ولا ان تبدل
بھن من ازواج —— استبدال زوج مکان زوج ——
ان یبدلہ ازواجاً خیرا منکن وغیرہ۔ اور مطلقہ کے لئے تو زوج کے
استعمال کی قرآن میں نظیر ملتی ہی نہیں بلکہ نساء ہے۔ پس عموم لفظ کی تردید میں

---

[1] اور اس امر کا اعتراف خود آنجناب نے بھی فرمایا ہے، ملاحظہ ہو ضمیمہ صفحہ ۲۶ سطر ۱۸ —— کہ
"مخاطبت یہاں مردوں ہی کی طرف ہے"۔

ایسی نظیر پیش کرنی تھی، جہاں مخاطبت مردوں ہی کی طرف ہوتی، اور لفظ ازواج ضمائر مذکر کی طرف مضاف کرکے استعمال کیا گیا ہوتا، اور پھر منکوحہ بیوی مراد نہ ہوتی، بلکہ مجازاً ہونے والی بیوی (منگیتر) یا مطلقہ مراد ہوتی، تو البتہ عموم لفظ سے فائدہ اٹھانے والوں کا رد ہوتا۔ ہاں، اگر ہونے والی بیوی یا مطلقہ کے لئے ازواجھم وغیرہ (ضمائر مذکر کی طرف مضاف کرکے بہ سلسلۂ تخاطب رجال) آتا تو یوں شبہ کیا جاسکتا تھا کہ ـــــــ عموم لفظ سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے تو دیکھو فلاں موقعہ پر ازواجھم وغیرہ کا اطلاق (ضمائر مذکر کی طرف مضاف کرکے) ہوا ہے، اور مخاطبت مردوں ہی کی طرف ہے، تو کیا مرد اپنی منگیتر عورتوں اور مطلقہ عورتوں سے بھی حفاظت فروج نہ کریں گے؟ ـــــــ اور پھر "خطرناک خرابیاں" لازم آئیں۔ فتدبر فانہ دقیق۔ مگر اعتراض یوں کیا گیا ہے کہ "کیا عورتیں اپنے منگیتروں وغیرہ سے بھی حفاظت فروج نہ کریں گی؟" اور گزشتہ تصریحات سے واضح ہوگیا کہ اعتراض کا یہ رُخ ہی نہیں نکلتا، کیونکہ مخاطبت مردوں ہی سے ہے، اس لئے نقض میں ازواجھم وغیرہ کا اطلاق منگیتر عورتوں کے لئے دکھا کر یہ کہنا چاہئے کیا مرد اپنی منگیتر عورتوں سے بھی حفاظت فروج نہ کرینگے[1]۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس لفظ کے عموم کے خلاف قرائن ہوں گے، اسی میں تخصیص کی جائے گی، تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ازواجھم کی تعمیم کے خلاف قرائن ہیں، اور عموم لفظ کی بنا پر "خطرناک خرابیاں" لازم آتی

---

[1] اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب بعبارۃ النص وہی مرد حفاظت فروج کے معاملہ میں مستثنیٰ ہیں جو منکوحہ بیوی رکھتے ہیں (یا اپنی ملک یمین) تو بیویوں کے لئے حفاظت فروج کا حکم اور اپنے شوہروں سے عدم حفاظت کا اذن کہاں ہے، تو ـــــــ یا تو دوسری آیات اور دوسرے مواقع کی جانب رجوع کرنا ہوگا، ـــ یا ـــ یہ بات سمجھ

(باقی صفحہ ۶۹ پر)

(بقیہ صفحہ ۶۸) کہ عدم حفاظت فروج وہیں صادق آئے گا جہاں طرفین حفاظت نہ کریں، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے حفاظت نہ کرنا لازم ہے بیوی کے اپنے شوہر سے عدم حفاظت کو۔ اور یوں بیوی کے لئے بھی عدم حفاظت منحصر ہوگیا اس کے شوہر تک۔ اسے یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ دلالۃ النص اور عبارۃ النص سے تو استثنا صرف مردوں (شوہروں) کے لئے ہے، مگر اس کی تکمیل معلق ہے بیویوں کے عدم حفاظت پر اور یوں آیت باقتضاء النص بیویوں کے انحصار عدم حفاظت پر دال ہے کیونکہ دلالۃ النص کی تکمیل جس کے بغیر نہ ہوسکے، اسی کا تو نام اقتضاء النص ہے ـــــــ اور اسے خود آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں۔ کہ:-

"فمن ابتغیٰ وراء ذٰلک .... بتا رہا ہے کہ مخاطبت یہاں مردوں ہی سے ہے، البتہ اس آیت کے جس جس حصہ میں جہاں ضمناً عورتیں مراد لی جاسکتی ہیں، وہاں عورتیں بھی داخل سمجھی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم تک عورتیں بھی شامل ہوسکتی ہیں، مگر خواہ مخواہ ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ والحافظین لفروجھم والحافظات میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر حفاظت فروج کے متعلق ہے، اگر کہا جائے کہ یہاں ازواج (بیویاں) کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا تو یہ استثنا عقلاً و درایتاً موجود ہے، مردوں کے لئے تو سورۂ مومنون و معارج والی آیتیں یہاں تفسیر کا کام دیں گی، اور پھر جو ان میں عورتوں کا بھی ضمناً

(باقی صفحہ ۷۰ پر)

ہیں تو اسی لفظ کی تعمیم میں تخصیص ہوگی مگر اس لفظ کے عموم کے خلاف حربے کو دوسرے لفظ (ماملکت ایمانھم) کی تعمیم یا اس کے معنی حقیقت پر محمول کرنے کے خلاف استعمال کرنا کس طرح معقول اور درست ہوگا ؟ ——— رأیت اسداً یرمی و لیثاً (مثلاً) اس جملہ میں اسد اور لیث مرادف الفاظ ہیں مگر یرمی صرف اسد کے معنی حقیقی لینے کے خلاف (قرینہ) سمجھا جائے گا، اور لیث کے بھی مجازی معنی لینے پر مجبور نہ کرے گا، جب تک اس کے لئے بھی کوئی مستقل قرینہ نہ ہو، اور یہاں تو نہ صرف یہ کہ لغتاً مرادف الفاظ نہیں ہیں، پھر بھی مجبور کیا جارہا ہے کہ چونکہ پہلے لفظ کا یہ معنی ہے، لہذا لفظ ثانی کا بھی یہی معنی و مفہوم مراد لو یہ اسی طرح کا استدلال ہوگا، جیسے کوئی مسلمان یوں کہے کہ میں نے چوپایہ کا گوشت کھایا ہے، اور کبوتر کا بھی، اسپر یہ کہا جائے کہ لفظ چوپایہ کے عموم سے اگر فائدہ اٹھاتے ہو تو یہ ،،خطرناک خرابی،، لازم آتی ہے، کہ حلال اور حرام

(بقیہ صفحہ ۶۹) شمول ہو خصوصاً الا علی ازواجھم کے لفظ سے تو انھیں آیتوں سے یہاں عورتوں کے لئے بھی شوہروں کا مستثنیٰ ہونا ثابت ہو — (درثمین ص۲۴)

غرض یہاں عبارۃ النص کی دلالت سے تو صرف مردوں کے لئے استثناء ہوا اور اسکے اقتضاء النص کے ساتھ والحافظین لفروجھم والحافظات کو ملاکر عورتوں کے لئے بھی شوہروں کا مستثنیٰ ہو ثابت ہوگا مگر یہ مسلمات میں سے ہے کہ الفاظ کی تعمیم و تخصیص، دخول و خروج قیود و بند وغیرہ پر ایراد و اعتراض عبارۃ النص پر ہوتا ہے، نہ کہ ضمنیات پر، اور جس طرح دلالت التزامی پر سند طلب نہیں کی جاتی اسی طرح ،،عقلاً و درایتاً استثناء،، کا بطلان اس طریقہ سے نہیں کیا جاتا جو اختیار فرمایا گیا ہے، اور پھر جب آپ خود فرماتے ہیں کہ ،،مگر خواہ مخواہ ضرورت بھی نہیں،، تو پھر اعتراض کیوں ؟ اور کس طرح ؟ اور کیا ؟ ہاں، اعتراض کا جو صحیح رُخ ہو سکتا تھا اسکا بیان گزر چکا —

دونوں قسم کے جانوروں پر چوپائے کا اطلاق ہوتا ہے، تو کیا سور کا گوشت بھی کھایا ہے ؟ لہذا یہاں لفظ چوپایہ سے مراد گائے ہوگی یا بکری، اس لئے چونکہ لفظ چوپایہ کے عموم کی بنا پر یہ ،،خطرناک خرابی،، لازم آتی ہے لہذا مراد گائے یا بکری ہی ہیں، بایں سبب کبوتر سے بھی مراد گائے یا بکری ہی ہوگا۔ تو یہ استدلال کتنا مضحکہ خیز ہوگا ——— اسی طرح یہاں ازواجھم سے منکوحہ ہی مراد لینے کے دلائل ماملکت ایمانھم سے بھی منکوحہ ہی مراد ہونے کے واسطے کس طرح استعمال کئے جاسکتے ہیں ؟ اور یہ کہنا اصولی حیثیت سے کتنا مضحکہ خیز ہوگا کہ عموم لفظ سے فائدہ اٹھایا جائے تو ازواج میں ،، ایسی خطرناک خرابی،، لازم آتی ہے، لہذا ملک یمین سے بھی منکوحہ ہی مراد ہے۔ اور یا ایھا النبی انا احللنا الآیہ وغیرہ کا تذکرہ مصادرہ علی المطلوب ہے خود مابہ النزاع ہی کو آپ دلیل بنا رہے ہیں۔

تیسری بات یہ ہو کہ عموم لفظ سے استفادہ کی تردید یوں کی گئی ہے کہ چونکہ ازواج مجازاً منگیتر وغیرہ کے لئے بولا گیا ہے تو کیا عورتیں اپنے منگیتروں وغیرہ سے بھی حفاظت فروج نہ کریں گی ؟ ——— کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع ناجائز ہے، بیک وقت دونوں مراد نہیں لئے جاسکتے، اس لئے یہاں ازواج کا یا تو مجازی معنی مراد ہوگا یا حقیقی۔ دونوں جمع نہیں ہوسکتے، اور جو معنی یہاں مراد لیا جائے، اسی کے لحاظ سے کوئی اعتراض وارد کیا جائے، اسلئے یا تو صرف مجازی معنی مراد لیجئے یا صرف حقیقی اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہو کہ مجاز وہیں اختیار کیا جاتا ہو جہاں حقیقت متعذر ہو، اور خلاف حقیقت قرینہ موجود ہو۔ یہاں حقیقت تو متعذر ہے نہیں، اور اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہیں، بایں سبب حقیقی معنی لے کر شبہ وارد کیجئے۔

چوتھی بات یہ کہ عموم لفظ کی تردید کے بعد جو نتیجہ نکالا گیا ہے اس میں شتر گربہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، اس لئے کہ آپ کے فرمانے کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ یہاں ازواج معنی حقیقی (منکوحہ) میں مستعمل ہوا ہے اس لئے ملک یمین مجازی معنی میں ہوگا۔ بخلاف دوسرے حضرات کے، کہ انکی دلیل واضح اور صاف ہے کہ چونکہ یہاں ازواج کے معنی مجازی مراد لینے پر کوئی قرینہ موجود نہیں، اس لئے معنی حقیقی پر محمول ہوگا (یعنی منکوحہ بیوی مراد ہو گی) اور اسی طرح ماملکت ایمانہم سے مجازی معنی (جو کسی زمانہ میں ملک یمین رہ چکی ہے) لینے کے واسطے کوئی قرینہ موجود نہیں بایں سبب وہ بھی معنی حقیقی (جو بالفعل ملک یمین ہے) پر محمول ہوگا۔ کیونکہ قرائن خلاف کی عدم موجودگی میں معنی حقیقی ہی مراد ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ مجازی معنی لینے کی صورت میں اس دوسرے لفظ (ملک یمین) کا ذکر تحصیل حاصل ہو کر رہ جائے اور حکم کی افادیت و سودمندی کے لحاظ سے جملہ بے کار محض ٹھہرے۔

اور یا ایہا النبی انا احللنا وغیرہ پیش کرنا مصادرہ علی المطلوب ہے۔

پانچویں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ازواج کے لئے تجویز گا منگیتر وغیرہ کے معنی میں ہونے کے لئے تو سند پیش کی گئی (اگرچہ سند و نظیر فی نفسہ درست نہیں ہے بہرحال پیش تو کی گئی) مگر یہاں ما ملکت ایمانہم میں ملک یمین کے متعلق معنی مجازی (جو کسی زمانہ میں ملک یمین رہ چکی ہے) کی سند کی جانب سے مکمل خاموشی اختیار کی گئی، یہ ایسا ہی ہے جیسے قادیانیوں کی جانب سے مظاہرہ[1] ہوتا ہے۔ ہمیں قرآن میں کہیں ایک جگہ بھی دکھا دیا جائے کہ ما ملکت

[1] یعنی سارا زور اور ساری دلیل وفات عیسٰیؑ کے واسطے ہوتی ہے اور کہا جاتا ہو کہ ان دلائل کی روشنی میں حضرت عیسٰیؑ وفات پا گئے لہٰذا مانو کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہیں، چہ خوب! مان لیا جائے کہ حضرت عیسٰیؑ وفات پا گئے تو مرزا صاحب کی نبوت کیسے ثابت ہو گئی؟

ایمانہم۔ ایمانکم وغیرہ استعمال کیا گیا ہو، اور یہ مراد ہو کہ وہ ہستیاں جو کسی زمانے میں ملک یمین رہ چکی ہیں، اور ——— "چونکہ پہلے ملک یمین رہ چکی ہیں اس لئے ان کو ملک یمین کہا گیا"، ہو ——— کوئی نظیر اور کوئی ثبوت پیش کیا جائے کہ ما ملکت ایمانکم وغیرہ بول کر زمانۂ ماضی میں رہی ہوئی ملک یمین مراد لی گئی ہو۔ اور اگر اس آیت میں بلا استشہاد یہ قول وادعا درست ہو سکتا ہے اور کسی کو سند و نظیر کے مطالبہ کا حق نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر اسی طرح کوئی شخص دوسری آیات میں یہی دعویٰ کر بیٹھے، تو اسے تسلیم نہ کیا جائے، مثلاً فانکحوا ما طاب لکم.........او ما ملکت ایمانکم میں یہ دعویٰ کرے کہ مراد یہ ہے کہ نساء سے (یعنی ان حرائر سے جو کسی کی ملک یمین نہ رہی ہوں) نکاح کرو.........یا ان آزاد عورتوں سے (حقیقہ) نکاح کرو جو کسی زمانے میں تمھاری مملوکہ رہ چکی ہیں۔ اسی طرح آیت اظہار زینت کے موقعہ پر ماملکت ایمانھن سے مراد یہ لے کر ابدائے زینت کر سکتی ہیں فلاں فلاں کے سامنے اور اُن حرائر (نساء) کے سامنے جو کسی زمانہ میں ان کی مملوکہ نہ رہی ہیں اور اُن آزاد شدہ کے سامنے جو کسی زمانے میں ان کی مملوکہ رہ چکی ہیں علیٰ ہذا القیاس یا ایہا النبی انا احللنا لک الآیہ میں اور یوں ہی [illegible] من النساء الآیہ میں ملک یمین سے مراد زمانہ گزشتہ کی مملوکہ اور حال کی حرہ مراد لے لے۔ غرض اس قسم کی تمام آیات میں یہ سلسلہ جاری کر دیا جائے، (بجز آیۂ مکاتبت کے، کیونکہ وہاں قرینہ حالیہ اور سیاق و سباق اس کے خلاف ہے) حتیٰ کہ ومن لم یستطع منکم الآیہ میں ملک یمین سے زمانہ گزشتہ کی ملک یمین اور موجودہ حرہ مراد لیا جائے اور باذن اھلن سے مقصود یہ ہو کہ زمانۂ گزشتہ میں جس ملک یمین کا جو اہل رہا ہو تو ایسے شخص کا یہ ادعا کہاں تک

معقول اور جائز و درست ہوگا؟۔ پس اگر ایسے شخص کا بلا ثبوت یہ دعویٰ قابل تسلیم نہ ہوگا تو کیا وجہ ہو کہ اس آیت کے اندر اس مجازی معنی میں استعمال کئے جانے کے دعوے کی سند و نظیر طلب کی جائے؟ اور جس طرح ازواج کے معنی مجازی کے لئے ایک آیت (لا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن الآیہ) ذکر کی گئی (جو اگرچہ فی نفسہ نظیر نہیں بن سکتی)، اسی طرح کیوں نہیں اسکے لئے (ماملکت ایمانھم کے لئے) بھی کوئی شاہد پیش کیا گیا؟ ——— "محاورہ و اصطلاح، عرف و مروجہ زبان"، کا دعویٰ فرمایا گیا۔ مگر بجائے اس کے کہ اس اصطلاح اور اس عرف و ترویج کی سند و ثبوت پیش کئے جاتے قیاسات و تخیلات کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا، اور دلیل میں نکاحی و بیاہی کا نمونہ۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی زبان کے عرف اور اس کے مروجہ محاورہ کے واسطے عقلی براہین یا دوسری زبان کی نظیر نا کافی ہے۔ زبان کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ نہیں ہے، قیاسات و ادلۂ عقلی کے ذریعہ کسی زبان کے عرف و اصطلاح اور ترویج محاورہ کا اثبات نہیں کیا جاتا، بلکہ فیصلہ محض استعمالات و سماع کے شواہد پر منحصر ہوتا ہے، اسی طرح دوسری زبان کے نظائر ثبوت میں پیش کرنا بھی مفید مطلب نہیں۔

جس زبان کے کسی لفظ یا جملہ کے واسطے کسی عرف و رواج کا دعویٰ کیا جائے اسی زبان کے استعمالات و شواہد میں پیش کرنے چاہئیں اور جب اس آیت میں عرف و محاورہ (ملک یمین کے لئے) کا دعویٰ کیا گیا ہے تو چاہئے تھا کہ استشہاد کلام عرب سے ہوتا، نہ کہ ہندوستانی استعمالات نظیر میں ذکر کئے جاتے ——

یہاں[1] ماملکت ایمانھم بول کر زمانہ گزشتہ کی منظر کشی ہی ٹھہری (یعنی یہ وہ ازواج آزاد محصنہ ہیں جو کسی زمانہ میں ملک یمین رہ چکی ہیں) تو جس طرح یہاں ان کا ذکر کرکے ماضی کی جھلک دکھائی گئی ہے، اسی طرح آیت اظہار زینت

[1] سورۂ مومنون میں۔

کے موقع پر یوں کہنا چاہئے تھا کہ اظہار زینت کر سکتی ہیں فلاں فلاں کے سامنے اور اپنے بعول کے سامنے یا اپنے ان شوہروں کے سامنے جو کسی زمانے میں اُن کے آقا رہ چکے ہیں، کیونکہ جب احکام شرع میں عہد گزشتہ کی تصویر کشی ضروری ہی ٹھہری (حقیقتاً و شرعاً فرق نہ ہونے کے باوجود) تو کیا وجہ ہے کہ شوہروں میں اس طرح کی تقسیم جاری نہ ہو سکے؟ یعنی جس طرح قبل سے آزاد منکوحہ عورت کا نام زوج اور منکوحہ امۃ (کہ وہ بھی آزاد محصنہ ہی ہے) کا نام ملک یمین محاورۃً ہوا، اسی طرح ایسا شوہر جو آقا نہ رہا ہو بعل ہوا اور وہ شوہر جو شوہر ہونے کے پیشتر آقا رہ چکا ہو اس کے لئے بھی کوئی محاورہ و عرف قسم کا لفظ ذکر کیا جاتا۔

نیز یہ امر بہت زیادہ غور طلب ہو کہ تعبیر و محاورہ اور لفظی فرق و اختلاف اور معنوی ترادف او کے ساتھ عطف کرنے کو جائز بھی رکھتے ہیں یا نہیں اسکے ذریعہ عطف کرنے کے لئے تو مغائرت حقیقی اور بنیادی و معنوی فرق ضروری ہے۔ دو ہم معنی اور مرادف الفاظ کے درمیان حرف عطف بالخصوص او لایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں؟ قعد زید او جلس کہنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟ زید پسر بکر کے متعلق یوں کہنا درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہ ما ضربت الا زیداً او ابن بکر —— اور جبکہ یہاں ازواج اور ماملکت ایمانھم شرعاً و حقیقتاً بالکل ایک ہیں گویا مترادف الفاظ ہیں، محض تعبیری فرق ہے، تو او کے بعد پھر اسی شے کا اعادہ محض تحصیل حاصل کے سوا اور کیا ہوگا؟ کسی قسم کی کوئی نئی افادیت نہیں اور حکم و سود مندی کے لحاظ سے دوسرا ٹکڑا (ماملکت ایمانھم) لغو و حشو ہی رہیگا۔ معنی و مفہوم اور نتیجہ کے لحاظ سے گویا جملہ یہ ہوا کہ والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او علی ازواجھم —— قرآن زبان عربی میں نازل ہوا، اور دنیا کی دیگر ساری زبانوں کی طرح عربی الفاظ و

تراکیب کے بھی مخصوص حصار و قواعد ہیں اور اسلوب بیان انھیں ڈھلے ہوئے سانچوں کے ذریعہ ہوگا، جو اس زبان کے ساتھ مخصوص ہیں، ایک بات اگر بہ تکلف زورِ استدلال سے بنالی جائے، اور اس زبان کے حلق میں ڈال دی جائے، جسے وہ قبول نہیں کرتی، تو گو یہ خیال خود وہ بات کتنی ہی نکھری ہوئی ہو، مگر درحقیقت بننے والی نہیں، قواعد و ضوابط اور استعمالات کے معین و مخصوص دلالات ہیں، جو بناوٹ اور تکلفات و تخیلات کو حقیقت و اصلیت سے جدا کر دیں گے۔

پھر یہ عجیب و غریب رعایت محاورہ ہے اور نہایت دلچسپ انداز سے خاطر اصلاح و زبان غرض کہ تقریباً ۶۸ جگھوں پر ازواج اور زوج کے الفاظ قرآن میں استعمال کئے گئے ہیں جن میں سے، ۶۳ جگھوں پر بیوی (منکوحہ) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، مگر صرف ۴ جگھوں پر ازواج پر عطف یا اس سے استثنا کر کے ملک یمین کا تذکرہ ہے، اور دو مقامات پر نساء پر عطف یا اس سے استثناء اور انہیں سے صرف اور صرف ایک مقام پر محاورہ کی پاسداری کی گئی ہے اور عرف عام کی خاطر یہ تعبیری فرق ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ نقشۂ[1] ذیل سے واضح ہوگا۔

۱۔ یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک . . . . وما ملکت یمینک (احزاب)

۲۔ . . . . ولا ان تبدل بھن من ازواج . . . . الا ما ملکت یمینک (احزاب)

۳۔ ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم (احزاب)

۴۔ والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (مومنون و معارج)

۵۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء . . . . او ما ملکت ایمانکم (نساء)

۶۔ والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم (نساء)

الحمد اللہ خیر صلا ——— ان میں بھی غور فرمایئے تو آخر الذکر ۵ و ۶ اس سلسلہ میں آتے ہی نہیں، کیونکہ نساء کے بعد مذکور ہے اور ۶ میں استثناء ازواج سے نہیں ہے بلکہ النساء سے ہے، جو پہلے والے جملہ میں مذکور ہے اور ان مقامات میں ملک یمین اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہوا ہے — ۱ اور ۳ میں بھی ملک یمین اپنے حقیقی معنی میں مذکور ہے۔ اب لے دے کر ۴ رہ گیا، جو اگرچہ دو سورتوں میں ہے، مگر آیت بعینہٖ مکرر ہے، اس لئے در اصل ایک ہی مقام ہوا — اور اس مقام پر (حسب ارشاد) معنی مجازی (یعنی جو کسی زمانہ میں ملک یمین تھیں) مراد ہوں۔

اور یہ بھی عجیب و غریب اتفاق کہ صرف ایسے مواقع پر مذکورہ مقامات میں ذکر ہوا، جہاں نکاح، استمتاع اور حفاظت فروج کا تذکرہ و حکم ہے۔ سوال یہ ہے کہ محض نکاح و فراش ہی کے معاملہ میں تخصیص ذکر کیوں؟ اور استمتاع و حفاظت فروج ہی کے سلسلہ میں محض ایک جگہ پر "مروجہ زبان اور عرف و محاورہ" کی یاد کیوں آئی؟ کیا ازواج کے لئے اور احکام بیان نہیں ہوئے ہیں؟ بیویوں (منکوحہ) کے متعلق تو بکثرت اور بہتیرے احکام بیان کئے گئے ہیں، مگر وہاں اس "مروجہ زبان اور عرف

[1] ان کے علاوہ نو یا دس مقامات پر اور ملک یمین کا ذکر ہے مگر وہاں استثنائی یا عطف کی شکل نہیں ہے بلکہ ایک جگہ تو دوسرے کی مملوکہ مراد ہے جس سے بہ دو شرائط اذن نکاح ہو (ومن لم یستطع منکم طولًا الآیہ) اور بقیہ مقامات پر لونڈی یا غلام میں سے کسی کی تخصیص نہیں بلکہ نفس ممالیک (عام ازیں کہ لونڈی ہو یا غلام) مراد ہیں مثلاً . . . . مما ملکت ایمانکم (سورۂ نور بہ موقع مکاتبت) وغیرہ ———

محاورہ،، پر ،،نزول،، کی ضرورت کیوں نہ پیش آئی؟ صرف ازواج پر اکتفا کیوں کیا گیا؟ کیا ایسی آیات ،،عرب کی مروجہ زبان پر نازل،، نہیں ہوئی ہیں؟ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات اور احکام ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ والذین یرمون ازواجھم (نور)

۲۔ ولکم نصف ما ترک ازواجکم (نساء)

۳۔ یاایھا النبی قل لازواجک (احزاب)

۴۔ وما جعل ازواجکم الائی تظاھرون (؍؍)

۵۔ فی ازواج ادعیاءھم (؍؍)

۶۔ وصیۃ لازواجھم (بقر)

کیا ان تمام جگھوں پر اور ان احکام کے وقت رعایت محاورہ و اصطلاح اور مروجہ زبان کا پاس ضروری نہ تھا؟ کیوں نہ فرمایا والذین یرمون ازواجھم او ما ملکت ایمانھم، کیوں نہ کہا ولکم نصف ما ترک ازواجکم او ما ملکت ایمانکم۔ کیوں نہ ارشاد ہوا وما جعل ازواجکم او ما ملکت ایمانکم الائی تظاھرون۔ وغیرہ وغیرہ ——— کیا یہ احکام اُن آزاد محصنہ منکوحہ بیویوں کے واسطے نہ ہوں گے جو کسی زمانہ میں ملک یمین تھیں، اور محض نکاح ہوتے ہی آزاد ہو گئیں، چاہے آقا نے ،،حسابِ دوستان دردل،، کر کے نکاح کیا ہو، یا کسی دوسرے سے مہر موجل یا معجل ،،پر نکاح کر دیا ہو اور ،،زرِ مہر زرِ فدیہ،، بنکر آقا کو ملنے والا ہو یا مل چکا ہو۔ کیا ایسی حرائر منکوحات جو کسی زمانہ میں ملک یمین رہ چکی ہیں، ان احکام سے مستثنٰی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان احکام کے وقت ،،عرب کی مروجہ زبان اور اصطلاح و عرف،، کی پاسداری نہ کی گئی؟ کہ کم و بیش ۲۰ مقامات پر مختلف اور متعدد احکام منکوحہ کے

بیان کئے جا رہے ہیں، اور عرب کی زبان ہی میں نزولِ آیات ہو رہا ہے۔ مگر کہیں اس عرف و اصطلاح اور اس رواج کا مظاہرہ نہیں اور ایک جگہ پر جبکہ استمتاع و فراش کا تذکرہ بسلسلۂ مدح مومنین آیا، تو اچانک اسی عرب کی ،،مروجہ زبان اور اصطلاح و عرف،، کا خیال آتا ہے، جس کی زبان میں دیگر تنزیلات ہیں۔[1]

---

[1] اور اگر کہا جائے کہ حقیقۃً و شرعاً تو کوئی فرق ہو نہیں، دیگر سارے مواقع میں ازواج کے اندر وہ داخل ہی ہیں، مگر حفاظت فروج و استمتاع ایک ایسا محل تھا، جہاں رسم جاہلیت توڑنی تھی، اور یاد دلانا تھا کہ ایسا نہ ہو تم انھیں زوج نہ سمجھو، بایں سبب اس اصطلاح کو ذکر کر دیا گیا، تو اس کا جواب پھر وہی دیا جائے گا، جو گزر چکا کہ فانکحوا فتیا تکم الآیہ کے ذریعہ (حسب ارشاد) بلا نکاح فراش بنانے کی ممانعت کر ہی دی تھی اور رسم جاہلیت کی بیخ و بنیاد اکھڑ ہی چکی تھی۔ بس کافی تھا، پھر ضرورت کیا آن پڑی یا زیادہ سے زیادہ فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کے سلسلہ میں ذکر آ جاتا۔ جہاں (حسب ارشاد) ،، اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کی نص صریح ہے،، اب اسکے مابعد تذکرہ حفاظت فروج میں کون سی نئی افادیت ملحوظ تھی، اور کیوں خواہ مخواہ ذکر کیا گیا۔ شریعت نے بتا دیا کہ بلا نکاح فراش بنانا جاہلیت کی رسم و مسافحت ہے اس نے ،،بہ نص صریح،، اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کا اذن دیا، بس معلوم ہو گیا کہ جب اپنی لونڈی ہی فراش بنے گی زیرِ نکاح ہی آ کر اور نکاح و آزادی لازم و ملزوم (معلوم نہیں اس کے لئے کون سی نص صریح ہے؟) اس لئے جہاں وہ فراش بنی (یعنی اعلان و نکاح ہوا) آزاد محصنہ زوج ہو گئی۔ کوئی فرق اس میں اور زوجِ حرہ میں حقیقۃً و شرعاً نہ رہا، چلئے مقصد حاصل ہو گیا، اب حفاظت فروج کے موقعہ پر زمانہ ماضی پر روشنی ڈالنا چہ معنی دارد؟ آقا کے علاوہ کسی اور نے نکاح ہوا ہو؟

(باقی صفحہ ۸۰ پر)

پہلے یہ دعویٰ کہ حقیقۃً و شرعاً کوئی فرق نہیں، ——— ،،عام ازواج میں داخل ہیں،، ——— محاورۃً و اصطلاحاً چاہے انھیں ملک یمین کہہ لیجئے کیونکہ کسی زمانہ میں وہ مملوکہ رہ چکی ہیں، لیکن اب وہ عام ازواج کی طرح آزاد محصنہ زوج ہی ہیں، فرق کرنا انسانی مساوات کا خون کرنا ہے، پھر اسکے بعد یہ فرمانا کہ ——— ،، البتہ ان کے لئے کچھ سہولتیں ہیں الخ ———
اور ——— ،، البتہ بعض امور میں عام ازواج اور ملک یمین میں فرق ضرور ہے مثلاً ازواج کے لئے تحدید ہے ان کے لئے نہیں،، ——— اجتماع اقوال

(بقیہ صفحہ ۷۹) اور نکاح ہوتے ہی جو ،، آزاد محصنہ زوج حقیقۃً و شرعاً ہو چکی ہو وہ اس کی زوجہ آزاد محصنہ ہی ہو، اس کے واسطے بھی یہ آیت مفید مطلب نہیں، ورنہ ایسے شخص کے لئے مذکورہ ۷، ۳ مقامات کے احکام کے مواقع پر بھی اس کا تذکرہ ضروری ہونا چاہئے۔ اور عرف عام اور مروجہ زبان کی پاسداری اسی قدر اہم شے ہے، تو دیگر سارے احکام کے وقت اسکی اہمیت کیوں نظر انداز کر دی؟ آخر یہ ترجیح کس بنا پر؟ بلکہ (ارشاد کردہ) اس نص صریح کے بعد تو ذکر ہی نہ کرنا تھا کیونکہ عطف با واو معنی مجازی پر کسی قرینہ کی عدم موجودگی کے سبب اس کا قوی و اقوی شبہ موجود ہے کہ حقیقی فرق سمجھ کر معنی حقیقی پر محمول کر لیا جائے گا۔

واضح رہے کہ شبہ و اشتباہ کو من جملہ اور خود ایک دلیل بنایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲ سطر ۱۴۔ جہاں ذالک ادنیٰ الا تعولوا کو فواحدۃً کے ساتھ متعلق گردانے والوں کی یوں تردید کی گئی ہے کہ ——— ،، اسے پھاند کر معطوف کے بعد آنے کی کیا ضرورت تھی، اگر فواحدۃً کے ساتھ تعلق ہے اور جو بدیل کے معنی میں ہے ——— ،، بالخصوص جہاں شبہ ہو کہ اسکا تعلق بجائے معطوف علیہ کے معطوف کے ساتھ سمجھ لیا جائے گا،،

متناقضہ کا ایک دلچسپ منظر ہے، یہ دو دو التبیانات تو گویا اظہار فرق پر دال ہی نہیں۔ کیا سہولتوں کی یہ تفریق انسانی مساوات کا خون نہیں؟ کیا یہ تفریق فی التحدید و آزاد محصنہ کے درمیان حقیقۃً و شرعاً فرق و تفاوت نہیں؟ کیا حقوق و احکام کے درمیان یہ فرق و تفاوت عند الشرع فرق و تفاوت کے نام سے موسوم نہیں کئے جا سکتے؟ شرعاً تفریق کا آخر مطلب کیا ہوتا ہے؟ آپ پر مجھ سے زیادہ یہ حقیقت روشن ہو گی کہ اختلافِ احکام ہی شرعی حیثیت سے فرق و تفاوت کا محور ہے، عورت اور مرد باوجودیکہ ایک ہی جنس کے ماتحت ہیں، ایک ہی نوع کے افراد ہیں، مگر نگاہ شرع ان دونوں کے درمیان جنساً فرق کرتی ہے، کیونکہ دونوں کے احکام جدا ہیں، شرعاً تفریق کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ شدت و سہولت، وسعت و تنگی، زیادتی و نقصان، حلت و حرمت اور اولیت و اولویت کے مختلف مدارج پیدا ہوں، ورنہ دنیا میں ہر دو متفاوت اشیاء کے درمیان کوئی نہ کوئی چیز مابہ الاشتراک نکل ہی آئے گی، اسے دیکھ ان دونوں اشیاء کو ایک تو نہیں کہہ سکتے، خنزیر و غنم حیوانیت میں مشترک ہیں، تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان حقیقۃً و شرعاً کوئی فرق نہیں؟ دونوں حیوان ہیں دونوں کی خوراکیں نباتات ہیں، دونوں چوپائے ہیں، البتہ بعض امور میں معمولی اختلاف و فرق ضرور ہے، مثلاً یہ کہ لحم خنزیر حرام ہے اور لحم غنم حلال؟ تقریباً یہی صورت یہاں پیدا ہو رہی ہے، دونوں آزاد محصنہ میں عام ازواج میں دونوں داخل ہیں، انسانیت میں دونوں مساوی ہیں، عورت ہونے میں دونوں برابر ہیں، البتہ پانچویں وہ زوج آزاد محصنہ جو کسی زمانے میں کسی کی ملک یمین نہ تھی، اسے تحت النکاح رکھنا حرام ہے اور پانچویں وہ آزاد محصنہ زوج جو کسی زمانہ میں کسی کی مملوکہ رہ چکی ہو اسے

تحت النکاح رکھنا جائز؟

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این است بہارے

اور لطف یہ کہ اسی ،،معمولی فرق،، التحدید پر بس نہیں، میں بتاتا ہوں کہ نفقہ، مہر معاشرت، سیاست اور فراہمی مطالبات، غرض کون سی ایسی منزل ہے جہاں دونوں کے نقوش جدا جدا ابھرے ہوئے ایک دوسرے کے بالکل مقابل نظر نہیں آتے۔

استمتاع بالاماء کے سلسلہ کی پوری بحث حسب ذیل امور کی طرف منحل ہوتی ہے اور انھیں اجزائے تحلیلیہ پر در اصل اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی ہے

۱۔ نکاح قاطع رقیت ہے، اپنی لونڈی سے نکاح کریں (یعنی فراش بنانے کا اعلان کردیں) اور زر مہر کے مقابلہ میں ،،حساب دوستاں در دل،، پر عمل کریں کسی اور سے اس کا نکاح کردیں، بہرحال وہ آزاد محصنہ ہو جاتی ہے،
(در ثمین صفحہ ۲۸)

۲۔ کسی سے نکاح ہو جانے کے بعد شرعاً حقیقۃً وہ آزاد محصنہ زوج ہی ہے اس کے سارے حقوق عام ازواج آزاد محصنہ کے برابر ہوں گے، سارے احکام عام ازواج آزاد محصنہ کے سے جاری ہوں گے، فرق کرنا انسانی مساوات کا خون کرنا ہوگا ——— (ماخوذ از در ثمین صفحات ۲۵-۲۷-۲۸-۳۰)

۳۔ ،، اپنی مملوکہ سے نکاح ہی کرکے اسے فراش بنانے کی نص صریح ہے،،
(در ثمین صفحہ ۲۵)

وھا انا اشرع فی المقصود

قرآن میں ہے کہ ——— قد علمنا ما فرضنا فی ازواجھم وما ملکت

ایمانھم (احزاب) جملۂ معطوفہ کے سبب و مواقع استعمال اور اس کی ضرورت کے لئے اصول و قواعد کا یہ مصرحہ فیصلہ ہے کہ جملہ میں جب تکرار عامل اور استقلال اسناد مدنظر ہوتا ہے تو تکرار سے بچنے اور اختصار عبارت کی خاطر جملہ بصورت عطف لایا جاتا ہے، پس اس آئینہ میں اس آیت کے اصلی خد و خال یہ ہونگے:-

ما فرضنا فی ازواجھم- ما فرضنا فی ما ملکت ایمانھم-

واو عطف لاکر ما فرضنا ثانی کی وجہ سے جو طوالت عبارت اور تکرار تھی، دور کردی گئی، مگر در اصل ما فرضنا بالاستقلال دوسرے ٹکڑے میں بھی جلوہ گر ہے، لہٰذا صاف معلوم ہو رہا ہے کہ زوج اور ملک یمین کے درمیان از روئے حقوق و احکام بون بعید ہے، اور دونوں کے فرائض و واجبات ایک دوسرے سے جدا ہیں، ——— وہ کون سے حقوق و احکام اور فرائض ہیں جو محور تفریق ہیں؟ خود قرآن ہی نے اس پر واضح طور سے روشنی ڈال دی ہے:-

۱۔ مملوکہ سے نکاح کرنے کے لئے عدم طول شرط ہے ——— ومن لم یستطع منکم طولاً الآیہ ——— بصورت استطاعت کسی کی ملک یمین سے نکاح کرنا مناسب نہیں۔

۲۔ اس سے نکاح کی طرف لپک نہ ہونی چاہئے اور خواہ مخواہ بلا مجبوری اور بغیر خطرۂ مہلکۂ نفس اس پر آمادگی درست نہیں، ——— ذلک لمن خشی العنت ——— اگر جذبات پر قابو ہو، ہلاکت نفس اور فساد جسم و جان کا خدشہ نہ ہو، طاقت برداشت ہو تو وسعت و استطاعت تک اجتناب بہتر ہے ——— وان تصبروا خیر لکم ——— ولیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتیٰ یغنیھم اللہ من فضلہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مملوکہ سے نکاح بدرجہ مجبوری اختیار کرنے کی جانب رجحان ہے اسلئے

کہ وسعت وغنیٰ تک انتظار کرنے کی ہدایت ہے، اور یہ رجحان نہ ہوتا تو مملوکہ سے نکاح کی سبیل تھی، اس کی ہدایت کر دی جاتی، اور انتظار کرنے کو نہ کہا جائے۔

یہاں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نفقہ۔ مہر اور معاشرت ومعیشت کے لحاظ سے آزاد محصنہ کو تفوق حاصل ہے، ایک آزاد محصنہ کو تحت النکاح رکھنے میں عدم استطاعت مانع ہے مگر کسی کی مملوکہ کو زیر عقد رکھنے میں یہ مانع نہیں، لہٰذا ظاہر ہے کہ دونوں کے نفقے اور انتظام معیشت میں تنصیف

لہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مملوکہ کا نکاح کر دینا شریعت کی نظر میں بہتر نہیں نفسِ نکاح اور چیز ہے، اور کس سے نکاح کیا جائے؟ اور شے ہے۔ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں ہی کا نکاح آپس میں ہو، آزاد مردوں کا اس سے نکاح کے لئے ومن لم یستطع الآیہ وغیرہ ہے، ہاں اپنی مملوکہ سے نکاح کو شریعت اچھی نظر سے دیکھتی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیبیں بھی دی ہیں مگر اس طریقہ سے نہیں جو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اعلان فراش ہی اسکا نکاح ہے اور ، حساب دوستاں در دل کر لیا جائے بلکہ اس طور پر کہ اسے پہلے آزاد کر دیا جائے پھر نکاح کے پورے لوازم وشرائط کے ساتھ اس سے نکاح کیا جائے ـــ (جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) غرض یہ کہ آزاد اشخاص کا اس سے نکاح کرنا دو مذکورہ شرطوں پر موقوف ہے، اسی لئے تلقین صبر ہے، اور اسی لئے مطلقاً نکاح سے استطاعت واہلیت تک ولیستعفف کہکر روکا گیا ہے، پس الآیات تفسر بعضها بعضاً کی رو سے مطلب یہ ہوگا کہ بصورت عدم استطاعت نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہے باعتبار تخسی کی ملک یمین سے نکاح کرنے کے۔ لیکن ہاں جب ہیجان نفس اور خشیۂ عنت ہونے لگے اور جادۂ اتقاء سے لغزش کا احتمال ہو تو حتی یغنیہم کے خیال سے رکے رہنا جسم وروح کے لئے گندگیوں اور ہلاکتوں کو دعوت دینا ہوگا ... حد فی ہے جہاں تک طاقت برداشت ہو ـــ

ہوگی، اور چلئے تنصیف نہ سہی، پھر بھی ایک وسیع خلیج حائل ہے، اور جب مملوکہ بھی بعد النکاح آزاد محصنہ زوج ہی ہے تو نفقہ اور انتظام معیشت میں تفاوت کیوں؟ کیا یہ ـــ "انسانی مساوات کا خون نہیں" ـــ؟

یہ تو حقوق ومقتضیات کے اعتبار سے آزاد محصنہ منکوحہ اور کسی کی ملک یمین جو منکوحہ ہو، ان کے درمیان فرق وامتیاز ہوا، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کی ملک یمین سے نکاح کی صورت میں وہ آزاد محصنہ زوج شرعاً و حقیقتہً ہرگز نہ ہوگی، ورنہ لازم آئے گا کہ عدم استطاعت طول اور عدم اہلیت کے باوجود انسان مجبور ہو کر وہ سارے مطالبات پورے کرے جو ایک حرۂ منکوحہ کے ہوتے ہیں، اور عدم استطاعت طول اور استطاعت محض نمائشی ہوں۔ اور ومن لم یستطع منکم طولاً الآیہ تکلیف مالایطاق[1] کے سوا کچھ نہیں ـــ فافہم۔

لہ کیونکہ نکاح کے بعد مہر موجل پر کسی سے اس کا نکاح کیا گیا ہو یا مہر معجل پر، بہرحال وہ آزاد محصنہ زوج ہی ہوگی۔ اس لئے کہ ـــ "یہ ناممکن ہے کہ وہ لونڈی رہے اپنے آقا کی اور زوج رہے اپنے شوہر کی" ـــ اور جب وہ بھی آزاد محصنہ زوج ہی شرعاً و حقیقتہً ہوئی تو کھلی ہوئی بات ہے کہ معاشرت۔ نفقہ، سکنی اور معیشت غرض سارے امور میں وہ آزاد محصنہ زوج کے ہم پلہ ہی ہوگی، جس کو پورے زور وشور سے خود بھی دو تمین کے صفحہ ۲۱ میں ثابت فرمانے کی سعی کی گئی ہے، پس اب حسب ذیل آثار ونتائج ملاحظہ ہوں:۔

زید کی مملوکہ ہندہ ہے غیر مستطیع بکر نے (جو اپنے عدم استطاعت کی بنا پر کسی آزاد محصنہ سے نکاح نہ کر سکتا تھا) چاہا کہ ہندہ سے باذنِ زید نکاح کرے (باقی صفحہ ۸۶ پر)

احکام کے لحاظ سے آزاد محصنہ کے قیود و بند زیادہ اہم، زیادہ شدید اور زیادہ گراں بار ہیں، مثلاً

۱۔ اظہار زینت کے لئے آزاد محصنہ کے واسطے ایک مخصوص حصار کھینچ دیا گیا ہے اور اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں، کما بیّنا،

(بقیہ صفحہ ۸۵) (ومن لم یستطع منکم الآیہ) زید نے (اہل ہند) زرمہر مثلاً پچاس روپے مقرر کئے، کیونکہ یہی رقم زر فدیہ کے عوض اُسے ملے گی، اور زر فدیہ کی یہ مقدار مناسب بھی ہے اور زید اس پر آمادہ بھی۔ اب تین حال سے خالی نہیں:۔

۱۔ یہ رقم کسی آزاد محصنہ کے زرمہر کے برابر ہے، یعنی اگر کسی حرّہ سے نکاح کرتا تو اتنے زرمہر پر ممکن تھا ـــــ یا

۲۔ آزاد محصنہ کے زرمہر سے زیادہ ـــــ یا

۳۔ آزاد محصنہ کے زرمہر سے کم۔

بہر تقدیر بکر ہندہ سے نکاح نہیں کرے گا۔ کیونکہ بصورت ۱؎ بعد النکاح تو دونوں کے درجات ساوی ہوں گے اور اس حرّہ اور ہندہ کی سطحیں برابر ہوں گی۔ اور زرمہر زید کے پاس بعوض زر فدیہ پہونچکر الگ گھاتے میں رہے گا حرہ سے کرے گا تو وہ رقم اس کی بیوی ہی کے پاس رہے گی، وقت بے وقت کام آسکتی ہے، ممکن ہے فان طبن لکم الآیہ اور..... فیما تراضیتم الآیہ کی نوبت بھی آجائے ـــــ اور بصورت ۲؎ موٹی عقل کا انسان بھی بول اٹھے گا کہ جب بعد النکاح نتیجہ واحد ہے تو ملک یمین لانے کا فائدہ؟ وہ بھی زیادہ رقم دیکر؟ اور پھر وہ رقم بیوی کے پاس رہے گی بھی نہیں، حتیٰ کہ بوقت ضرورت کام آنے کا امکان ہو یا آپس کی تراضی سے کمی ہو سکے ـــــ اور بصورت ۳؎ بظاہر وقتی طور پر معمولی سی بچت ہوئی، لیکن ایسی بچت کا فائدہ کیا؟ جبکہ وہ رقم بیوی کے قبضہ

(باقی صفحہ ۸۷ پر)

۲۔ اور سب سے بڑھ کر قرآن کی یہ نص صریح دونوں کے درمیان شرعاً و حقیقۃً عظیم فرق و تفاوت پر دال ہے کہ:۔

ومن لم یستطع منکم طولاً........ فانکحوھن باذن

(بقیہ صفحہ ۸۶) میں نہ رہ سکے، وہ اس سے کام نہ لے سکے، کسی آڑے وقت پر شوہر کو دینا چاہے تو اس کا ہاتھ کٹ چکا ہوگا، اور حرّہ سے نکاح کرنے میں اگرچہ تھوڑی سی رقم زیادہ دینی پڑ رہی ہے، مگر رہے گی تو بیوی ہی کے قبضہ میں؟ بوقت ضرورت و احتیاج وہ شوہر کی مدد تو کر سکے گی، ممکن ہے شوہر کی تنگ دستی کے خیال سے بطیب خاطر کچھ معاف بھی کر دے۔ بقیہ مصارف تو یکساں ہی رہیں گے اور سارے مطالبات اور تمام کفالتیں بالکل ساوی ـــــ فرمائیے؟ کیا بکر کبھی ہندہ سے نکاح کرنے کی ہمت کرے گا؟ ـــــ اس غریب نے تو اپنے عدم استطاعت طول کے باعث چاہا کہ کسی کی ملک یمین سے نکاح کر کے گھر بسائے اور وساوس شیطانی، لغزشوں اور امراض روحانی و جسمانی سے محفوظ رہے اور تھوڑی سی آمدنی سے جو کسی حرہ کی کفالت کی متحمل نہیں اور اس کے معیار کے لائق نہیں، تدبیر منزل کر سکے۔ مگر آپ نے نکاح و آزادی کو لازم و ملزوم کر دیا، جس سے بعد النکاح آزاد محصنہ بنا دیا اور سارے حقوق و مطالبات آزاد محصنہ کے طلب کئے جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلا کہ وہ غریب بھاگ کھڑا ہو کیونکہ حرہ تحت الید رکھنے کے بار کا وہ متحمل نہیں ہو سکتا، اور اس کی زندگی تلخ، گندہ، آلودہ عصیاں اور اس کے جسم و روح ہدف امراض بن کر رہیں، کیا یہی منشا ہے ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المومنات فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات...... فانکحوھن باذن اھلھن....... ذلک لمن خشی العنت الآیہ کا؟ اگر یہی منشاء ہے تو کبھی کوئی کسی کی ملک یمین سے نکاح کر سکے گا؟

نیز آپ کی تحقیق و فتویٰ کی رو سے (یعنی جو نکاح و آزادی کو لازم و ملزوم قرار دیا اور زرِ مہر

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

اھلھن .... فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب۔ (سورۂ نساء)

پس اگر:۔

—— "یہ غیر ممکن ہو کہ وہ مملوکہ رہے اپنے آقا کی اور محصنہ ہے اپنے شوہر کی"۔

—— اور یہ کہ:۔

(بقیہ صفحہ ۸۷) کو زر فدیہ بنا کر مملوکہ کے اہل کو دلوا دیا) ایک اور نتیجہ نکلتا ہو جو نہایت دقیق ہو، گہری فکر ہی سے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہو، تفصیل سے قطع نظر کر کے اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں، انصاف اور سلامت ذہن اس کی تائید کریں گی —— وہ یہ کہ کسی کی ملک یمین سے نکاح کرنے کی صورت میں اگر وہ آزاد محصنہ زوج ہی ہو جائے اور زر مہر زر فدیہ بن جائے، تو ہوگا یہ کہ مملوکہ کا پلہ حرہ سے بھاری ہو جائے گا، غور فرمائیے —— بعد النکاح سارے حقوق میں بہر حال تساوی ہوگی، نفقہ، سکنیٰ، معاشرت و معیشت کسی معاملہ میں بھی دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں —— رقم مہر کیا ہوتی ہو؟ اجر —— کیا مطلب؟ ملک بضعہ سے تمتاع کا صلہ —— اور زر فدیہ کیا ہوتا ہے؟ پوری ذات و جسم کے مقابلہ کی رقم —— پس اگر زر مہر زر فدیہ بنے تو حرہ کے زر مہر سے مملوکہ کا زر مہر زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ پوری ذات و جسم اسکے ذریعہ برآمد کیا جاتا ہو (برآمد کا یہ لفظ میں نے محض آپ کے گروکے قول کی رعایت کرتے ہوئے استعمال کیا ہو) اور پوری ذات و جسم کا گویا معاوضہ یہ زر فدیہ ہوتا ہو —— اور زر مہر ذات و جسم کا معاوضہ نہیں ہو بلکہ اس سے جسم کے ایک حصہ سے تمتاع کا حق حاصل کیا جاتا ہو، اب عقل و تدبر کا فیصلہ کیا ہوگا؟ زر فدیہ زیادہ ہونا چاہئے یا زر مہر؟ ظاہر ہو کہ زر فدیہ کی مقدار زیادہ ہونی چاہئے، لہٰذا، ومن لم یستطع نہیں بلکہ کسی کی مملوکہ سے نکاح کرنے کے لئے بیسہ والا انسان ہونا چاہئے، کافی وسعت و استطاعت درکار ہو، کیونکہ زر مہر زر فدیہ بنے گا، لہٰذا جیب ذرا بھاری ہونی چاہئے —— فتدبر فانہ ادق جداً۔

"وہ نکاح کے بعد ہی آزاد محصنہ ہو گئی، چاہے مہر موجل ہو یا مہر معجل، یہ قصور آقا کا ہوگا کہ اس نے تاخیر روا رکھی —— شرعاً و حقیقتہً وہ آزاد محصنہ زوج ہی ہے، محض تعبیری فرق ہو چونکہ پہلے ملک یمین تھی اس لئے اس کو ملک یمین کہا"——

(درثمین صفحہ ۲۵-۳۰)

تو تنصیف سزا کیوں؟۔ کیا وجہ ہو کہ ایک ہی جرم اس زوج حرہ سے (جو قبل النکاح بھی آزاد تھی) اور اس زوج حرہ سے جو نکاح ہوتے ہی آزاد ہو گئی ہو اور کسی زمانہ میں مملوکہ تھی، دونوں سے سرزد ہوتا ہو مگر غریب زوج اول کی پشت اتنی سستی اور مبغوض ہو کہ آپ نے سو کوڑے گن دیے، اور دوسری زوج حرہ کی پیٹھ اتنی وقیع و محبوب ہو کہ پچاس کے بعد اب ہاتھ نہیں اٹھتے؟ زوج اول کا قصور صرف یہی نظر آتا ہو کہ وہ کسی زمانہ میں کسی کی مملوکہ کیوں نہ رہی؟ ——

پس قرآن کی صراحۃ النص کے ذریعہ آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے ثابت ہو گیا کہ شرعاً ہر قدم پر دونوں کے درمیان حقیقتاً فرق و امتیاز ہو، اور مساوات ہرگز نہیں۔ اصطلاح و تعبیر کا فرق نہیں بلکہ بنیادی فرق ہے۔ اور اگر حقوق و معاملات اور احکام کے درمیان یہ بون بعید، یہ سد مرصوص زمین و آسمان کے درمیان تفاوت کا مصداق نہیں، تو دنیا کی کسی چیز کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ انما البیع مثل الربوا کہنے والے بھی اپنی جگہ پر بالکل حق بجانب تھے، اور آج کوئی یہ دعویٰ کر بیٹھے تو بالکل صحیح اور درست ہوگا کہ حج و عمرہ کے درمیان حقیقتاً و شرعاً کوئی فرق نہیں۔

لہ بایں طور کہ حج لکھ حج بوقت نزول قرآن زبان زد عام و خاص تھا، اور قرآن اسی مروجہ زبان پر نازل ہوا ہو" —— اس لئے "اس عرف عام کا خیال کرتے ہوئے" —— خمن

(باقی صفحہ ۹۰ پر)

پس جب ثابت ہو گیا کہ زندگی کے ہر موڑ پر دونوں کی راہیں جدا ہیں اور حقیقتاً و شرعاً ہر قدم پر فرق ہے، تو یہ کہنا باطل ہو گیا کہ "وہ عام ازواج میں داخل ہے"۔ ——— اور یہ تحقیق بھی کنسج العنکبوت ہو گئی کہ ——— "یہ غیر ممکن ہے کہ وہ لونڈی رہے آقا کی اور محصنہ رہے اپنے شوہر کی"، ——— اور یہ کہ ——— "نکاح ہوتے ہی وہ آزاد محصنہ ہو گئی"، ——— کیونکہ اگر فی الواقع ایسا ہی ہو تو شرع اس قدر ظالم و غیر منصف نہیں کہ ایک ہی جرم پر ایک آزاد محصنہ کو سزا اُس سزائے جرم سے دگنی دے، جس سزا کے قابل دوسری آزاد محصنہ (جو کسی زمانہ میں ملک یمین تھی) وہی جرم کر کے ہوئی ہے۔ بوقت جرم یہ رقیت کا وجود ہی ہے، جس کے باعث ایک ہی طرح کے جرم و عصیان پر سزا میں تنصیف ہے، لہٰذا وہ رہے گی اپنے آقا کی مملوکہ اور رہے گی اپنے شوہر کی زوج ——— ورنہ اگر اس مملوکہ کو آقا پہلے آزاد کر دے پھر اس کا نکاح کسی سے ہو، اور وہ اس

(بقیہ صفحہ ۸۹) حج البیت او اعتمر میں حج و عمرہ کا ذکر بصورت عطف یاد کر دیا گیا اور یہ "ولا مناقشۃ فی الاصطلاح"۔ ——— "البتہ بعض امور میں حج و عمرہ کے درمیان کچھ فرق ضرور رہی"، ——— "جس میں عمرہ کے لئے کچھ سہولتیں مد نظر ہیں"، ——— مثلاً حج کے لئے تو اشہر معلومات فرمایا (تحدید کی) اور پھر وقوف عرفات وغیرہ حج کے لئے ضروری ٹھہرایا، مگر عمرہ کے لئے ماہ و تاریخ کا تعین اور تحدید نہ کی وغیرہ وغیرہ ——— لہٰذا ——— جس نے صرف عمرہ کیا کسی ماہ میں، اس نے فریضۂ حج ادا کر لیا، کیونکہ حقیقتاً و شرعاً تو کوئی فرق ہی نہیں، محض عرف عام اور اصطلاح اور مروجہ زبان کی رعایت ہو۔ اسلئے عمرہ کرتے ہی فریضۂ حج ساقط ہو گیا، جس طرح نکاح ہوتے ہی وہ آزاد محصنہ ہو گئی اور سارے معاملات میں برابر، اگرچہ آزاد محصنہ کے واسطے تحدید اور کچھ شرائط ہیں۔

جرم کی مرتکب ہو جائے، تو پھر سزا مساویانہ ہو گی اور یہ تنصیف و تضعیف نہ ہو گی۔

پس اس بحث کے دو پہلے اجزاء تو قرآن کی عبارۃ النص اور دلالۃ النص ہی سے باطل ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ نکاح کو قاطع رقیت بنانا ابطلی قرآن کی ایک نص پر ضرب لگانی ہے جس طرح منکوحہ آزاد محصنہ بنا کے اور تحدید اٹھا کر ایک فتنہ کا دروازہ کھولا گیا تھا اور جب یہ دونوں اجزا باطل ہو گئے تو ان سے متعلق جتنے ضمنی عنوانات[1] قائم کر کے خامہ فرسائیاں کی گئی تھیں وہ سب ایسے تخیلات ثابت ہوئے جن سے قرآنی تصریحات براءت ظاہر کر رہی ہیں کیونکہ ان تمام عنوانات کے ماتحت مضامین و دعاوی کی بنا در اصل مذکورہ اجزائے تحلیلیہ کے دو پہلے اجزاء پر ہے۔

ان سارے مباحث کو منقوض کرنے اور ان کے بطلان کے واسطے محض آیاتِ مصرحہ اور نصوص صریحہ پیش کئے گئے ہیں، اگر ان آیات کی مؤید احادیث و روایات اور تشریح کنندہ واقعات اور تاریخی شواہد بھی ضبط و تحریر میں لائے جائیں تو ایک دفتر چاہئے، منجملہ ان کے واقعہ حضرۃ بریرہ رضہ ہے جنھیں حضرت عائشہ رضہ نے خرید فرما کر آزاد کر دیا تھا[2]، اور یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ حضرت بریرہ رضہ حضرت مغیث رضہ کی منکوحہ تھیں (بخاری ج ۲) تو اگر ملک یمین اپنے آقا کی مملوکہ رہتے ہوئے کسی کی محصنہ منکوحہ نہیں رہ سکتی اور نکاح بہرحال قاطع رقیت ہے تو ایک آزاد محصنہ کو حضرت عائشہ رضہ کا خریدنا اور پھر اُسے آزاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور پھر حضرت بریرہ رضہ کو اپنے زوج اول کے معاملہ میں اختیار دیئے جانے کا کیا مطلب؟

---

[1] یہ عنوانات یہ ہیں:۔ ازواج اور ملک یمین کا فرق (صفحہ ۲۵) محاورے میں ملک یمین کی اصطلاح (صفحہ ۲۷) ملک یمین نکاح کے بعد آزاد ہو جائے گی (صفحہ ۸۰)۔ [2] اور جس واقعہ سے تفقہ کئے گئے ماخوذ ہیں (۱) الولاء لمن اعتق (۲) خیار العتق۔

مگر میں نے قصداً کسی روایت اور کسی تاریخی شہادت کا تذکرہ نہیں کیا ہے خصوصاً حضرۃ بریرہؓ جیسے مشہور و معروف واقعہ کو، کہ مبادا، یہ سبکے سب موضوعات میں سے ہوں، اور یہ واقعہ بھی از سرتا پا من گھڑت ہو، اور باوجودیکہ حضرۃ بریرہؓ کی مملوکیت کے زمانہ میں ان کے زوج اور بعد العتق ان کے زوج ثانی کے واقعات و شواہد، اتنے مشہور اور اس قدر غیر مشکوک ہیں پھر بھی ہو سکتا تھا کہ یہ سب "اکابر کی دھجیوں کو پلٹ دینے" کی خاطر ڈھونگ ہو، اور اول سے آخر تک سارے واقعات اور حضرۃ مغیثؓ کے الفاظ و اشعار، ان کے تمام درد انگیز جملے، ان کی ڈھنڈھی آہیں، اور بہتے آنسو، بلکہ خود ان کا وجود اور اس نام کی شخصیت سب کے سب افترا ہے محض ہوں۔ اور طبعزاد افسانہ۔

اب صرف اس ستون ثلث کی ایک ساق رہ گئی یعنی ________ "اپنی ملک یمین سے استمتاع کے لئے آیت فانکحوا ما طاب لکم الآیہ نص صریح ہے"، ـــ اس دعوے کے دلائل اور اس سلسلہ کی پوری بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) سورۂ نساء میں ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ اس آیت کریمہ میں نکاح کا حکم ہے جو فانکحوا سے ظاہر ہے کسی سے نکاح کرو، عام عورتوں سے یعنی محرمات کے سوا ہر اجنبی عورت سے نکاح کر سکتے ہو جو پسند آئے۔ ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکو، اگر ڈرو کہ عدل نہ ہو سکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو، یا اپنی ملک یمین سے نکاح کر لو، یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم مشقت میں نہ پڑو اور عام عورتوں سے نکاح کرو تو انھیں ان کا زر مہر بکشادہ پیشانی ادا کر دو۔ آیت مذکورہ کا بس یہی ترجمہ صحیح ہو سکے سوا کوئی دوسرا ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ . . . . . . جو لوگ

او ما ملکت ایمانکم کے لئے ایک فعل مثلاً استمتعوا وغیرہ محذوف مانتے ہیں، . . . . وہ اتباع قرآن نہیں کرتے، بلکہ مفروضات کا متبع قرآن کو بنانا چاہتے ہیں[1] اور جو لوگ ما ملکت ایمانکم کو فانکحوا کے ماتحت تو مانتے ہیں مگر اس سے اپنے سوا دوسرے کی ملک یمین مراد لیتے ہیں . . . . یہ بھی اتباع قرآن نہیں[2]. . . . . اس کی کوئی دلیل قرآن میں نہیں مل سکتی، . . . . . . پھر یہ تاویل خلاف سیاق قرآن بھی ہے اور خلاف محاورۂ عرب بھی، یہ غیر ممکن ہے کہ اباءکم سے اپنے باپ مراد نہ ہوں، اخوانکم سے اپنے بھائی مراد نہ ہوں بلکہ دوسروں کے بھائی مراد ہوں وقس علی ھذا، ہاں جس کا باپ زندہ نہ ہو جس کا بھائی زندہ نہ ہو اور طرز کلام عموم کا فائدہ دے رہا ہو تو دوسرے کے باپ بھائی مراد ہو سکتے ہیں. . . . . . . جیسا کہ آیت محرمات میں حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم الآیہ میں خاص اپنی ہی ماں، بیٹی بہن وغیرہ مراد ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ یہاں او ما ملکت ایمانکم میں اپنی ملک یمین مراد نہ ہو، اور دوسروں کی ملک یمین مراد ہو، . . . . ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا کا اشارہ یقیناً اس ملک یمین کے ساتھ نکاح کرنے کی طرف ہے، اس لئے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کے لئے زر مہر مہیا کرنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی، جو یقیناً باعث مشقت ہے، اپنی ملک یمین نکاح

---

[1] ھلا شققت عن قلوبھم؟

کو لینے میں اس مشقت سے بالکل نجات ہے اسلئے کہ ایک پیسہ بھی دینا نہیں پڑتا،........ یعنی اگر اپنی ملک یمین موجود ہو تو بلا خوف مشقت یعنی بلا ادائے زر مہر ان سے نکاح کر لو........

واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ؛ اس واو عطف نے بتا دیا کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے اس جملہ سے نہیں ہے جس کے بعد یہ آیا ہے، ورنہ واو عطف نہ آتا........ مختصر یہ کہ یہ آیت اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کے لئے نص صریح ہے

(صفحہ ۲۳-۲۴-۲۵)

ت:۔ اگرچہ میرا یہ خیال نہیں کہ او ما ملکت ایمانکم سے کے لئے استمتعوا وغیرہ فعل مقدر ہے، مگر جو لوگ استمتعوا مقدر مانتے ہیں وہ آپ سے سوال کر سکتے ہیں کہ فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کے ترجمہ کے سلسلہ میں جو یہ تحریر فرمایا گیا ہے کہ ——— "اگر ڈرو کہ عدل نہ ہو سکے گا تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو" ——— یہ اکتفا کرو فواحدۃ کے پیشتر کیوں مقدر کیا گیا؟ فواحدۃ کو فانکحوا کے تحت نہ مان کر اور یوں ترجمہ کر کے بس نکاح کرو ایک ہی سے نہ کر کے اس کے پیشتر اکتفوا مقدر مانتے ہوئے یوں ترجمہ کرنا کہ "ایک ہی پر اکتفا کرو" تو اتباع قرآن ہو سکتا ہے، مگر ما ملکت ایمانکم سے پہلے استمتعوا اگر مقدر مان لیا گیا تو دل کے نقوش پڑھ لئے گئے کہ یہ قرآن کی اتباع نہیں ہے اور اپنے مفروضات کا متبع قرآن کو بنانے کا اقدام ہے، کیا آپ کسی فعل کے نفس تقدیر ہی کا انکار کرتے ہیں؟ اور سمجھتے ہیں کہ کوئی فعل کسی کے پیشتر مقدر رہتا ہی نہیں، شائد ایسا نہیں سمجھتے ہوں، تو جب فعل کی نفس تقدیر موجب طعن نہیں تو اگر اپنی ملک یمین سے استمتاع بلا نکاح عند الشرع جائز ہو اور اس بنا پر اس کے

پیشتر استمتعوا مقدر مانا گیا تو مطعون کرنے کے کیا معنی؟ - خیر! اب اصل مقصد کی طرف آئیے۔

بطور مقدمہ کے یہ چیز پیش نظر رہے کہ آپ اور ہم دونوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آقا کی مملوکہ اس کی ملک یمین رہتے ہوئے اپنے اُس آقا کی منکوحہ نہیں رہ سکتی، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے آقا کی وہ مملوکہ بھی رہے اور منکوحہ بھی، ہمارے نزدیک آقا کی منکوحہ بننے کے لئے پہلے (قبل از نکاح) اسے پروانۂ آزادی ملنا ضروری ہے اس کے بعد نکاح ہوگا اور اپنے سارے لوازم کے ساتھ ہوگا، اور آپ کے نزدیک آقا کا اس سے نکاح کرنا ہی پروانۂ آزادی ہے، پھر وہ اپنے آقا کی ایسی منکوحہ نہیں ہے جو اس کی مملوکہ بھی ہو بلکہ وہ ایک آزاد محصنہ ہو اپنے شوہر کی۔ پس اس آیت اور اس موقع کے حسب ذیل گوشے پیدا ہوتے ہیں:۔

۱۔ بلا نکاح جواز فراش ہے یا نہیں؟

۲۔ اس آیت میں اپنی لونڈی سے نکاح ہی کرنے کا اذن ہے یا نہیں؟

۳۔ اس آیت میں صرف اپنی مملوکہ سے نکاح کر سکنے کا اذن ہے یا صرف دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کا؟

۴۔ اس آیت میں اپنی مملوکہ سے بھی نکاح کر سکنے کا اذن ہے اور دوسرے کی مملوکہ سے بھی؟

شق اول کے متعلق آگے بحث آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ، شق ثانی ثالث اور رابع کے بارے میں کہنا یہ ہو کہ اس آیت میں ما ملکت ایمانکم کے اندر اپنی مملوکہ داخل نہیں ہے بلکہ دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کا اذن ہے، مزید وضاحت کی خاطر اصل عبارت یوں سمجھئے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء........ .... (وما ملکت ایمان اخوانکم ——— ما ملکت فانکحوا

کے تحت ہے یعنی او فا نکحوا ما ملکت ایمان اخوانکم اس قول پر (دوسرے کی مملوکہ مراد لینے پر) حسب ذیل شبہات و اعتراضات کئے گئے ہیں۔

۱۔ خلافِ محاورۂ عرب ہے۔

۲۔ اس کی کوئی دلیل قرآن سے نہیں۔

۳۔ خلاف سیاق ہے۔

لہٰذا اتباع قرآن نہیں

جواب میں عرض ہے کہ ملاحظہ ہو الدر الثمین صفحہ ۱۱ سطر ۱، جہاں ولا علیٰ انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم الآیہ کی تفسیر فرماتے ہوئے تحریر فرمایا گیا ہے کہ ــــــ ''اس آیت میں ازواج کا ذکر نہیں ہے .... اپنے گھر میں کھانے کے لئے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''تم اپنے گھر اگر کھا لو تو کوئی حرج تمہارے لئے نہیں ہے'' خود اپنے گھر کھانے میں کس کو حرج محسوس ہوتا ہے؟ درحقیقت یہاں بیوتکم سے بیوت ازواجکم ہی مراد ہے'' ــــــ لیکن غریب مفسرین یہاں اگر اخوان مقدر کرکے کہتے ہیں کہ او ما ملکت ایمان اخوانکم مراد ہے تو عدم اتباع قرآن کے مجرم ہیں، خلاف محاورۂ عرب ہے، اس کی کوئی دلیل قرآن سے نہیں اور وہاں بیوت کے بعد ازواج مقدر کرنے کے وقت عین محاورۂ عرب ہے، اور قرآن میں دلائل کے انبار بھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

وہاں بھی تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ:۔

یہ غیر ممکن ہے کہ بیوتکم سے اپنے گھر مراد نہ ہوں، بلکہ ازواج کے گھر مراد ہوں، ہاں جس کا گھر نہ ہو، اور طرز کلام عموم کا فائدہ دے رہا ہو

تو دوسروں کے گھر مراد لے سکتے ہیں، ورنہ اپنے گھر کے رہتے ہوئے دوسرے کے گھر مراد لینا خلاف محاورۂ عرب ہے، اس کی کوئی دلیل قرآن سے نہیں، اور یہ اتباع قرآن نہیں بلکہ اپنے مفروضات .... وغیرہ وغیرہ۔

پس معلوم ہوا کہ حذف!

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اور باوجود اس کے کہ اپنا گھر ہے، پھر بھی یہ مراد نہ ہوا، اور نہ خلاف محاورۂ عرب ہوا، اسی طرح باوجود اس کے کہ اپنی مملوکہ بھی اس کسر میں ازروئے لفظ داخل ہو سکتی ہے، مگر وہ یہاں مراد نہ ہوگی اور جس طرح وہاں ازواج مقدر ہوا اسی طرح یہاں اخوان مقدر ہوگا اور خلاف محاورۂ عرب نہ ہوگا کیونکہ من بیوتکم میں جس طرح عقل مخصص ہو اور عقل کے اسی فتویٰ پر حصر تک کیا گیا کہ ''بیوت ازواجکم ہی مراد ہے''، اسی طرح یہاں عقل مخصص ہوگی اسلئے کہ مملوکہ مملوکہ رہتے ہوئے اپنے آقا کی منکوحہ نہیں رہ سکتی، اور میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بتا چکا ہوں کہ نکاح قاطع رقیّت نہیں، مملوکہ مملوکہ رہتے ہوئے منکوحہ رہ سکتی ہے اور اس آیت میں (بلکہ قرآن کی کسی آیت کی تصریح یا اس کے اشارہ یا اس کے اقتضاء میں) اس پر کسی طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ وہ نکاح ہوتے ہی آزاد محصنہ ہو جائے گی، (بلکہ قرآن صراحتًا فاذا احصن فان اتین الآیہ میں نکاح و رقیت یکجا کر رہا ہے) ہاں! اگر آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ آقا کی وہ مملوکہ بھی رہے اور منکوحہ بھی تو بسم اللہ ہم بسر و چشم تیار ہیں یہ ماننے کے لئے کہ یہاں اپنی ملک یمین مراد ہے، بلکہ اپنی ہی ملک یمین مراد ہے باقی رہا خلاف سیاق ہونا تو میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ مراد لینا خلاف سیاق

کس طرح ہے، دراصل آگے ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ موجود ہے جس میں باوجودیکہ ما ملکت ایمانکم اور فتیاتکم کی ضمیر کُم میں بحسب اللفظ اپنی مملوکہ کا شمول ممنوع نہیں، مگر باذن اھلھن کا ٹکڑا اس کا فیصلہ کئے دیتا ہے کہ دوسرے کی مملوکہ مراد ہے، تو وہ آیت اس آیت (فانکحوا ما طاب لکم الآیہ) کی تفسیر کا کام کیوں نہیں دے سکتی (جسے ہم عنقریب واضح کریں گے) غرض! جب سیاق کے خلاف نہیں، بلکہ تائید ہو رہی ہو، اور محاورۂ عرب کے خلاف بھی نہیں، کیونکہ بہت سے مواقع پر کُم کی ضمیر کے باوجود دوسرے کے مراد لئے گئے۔ اور باوجود اپنے مراد لئے جاسکنے کے ،، دوسرے ہی مراد ہوئے ،، لہٰذا قرآن سے دلیل بھی مل گئی، اور عقل و نگاہ کا ناطق فیصلہ بھی حاصل ہوگیا، اتنے کے ساتھ اُن دلائل کو بھی ضم کرلیا جائے جو بلا نکاح جواز استمتاع کے سلسلہ میں عنقریب پیش کئے جائیں گے تو بلا جھجھک کہا جاسکتا ہے کہ ما ملکت ایمان اخوانکم ہی مراد ہے۔

اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ کے متعلق خود طفرہ جائز رکھا، کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے نہ کہ وما ملکت ایمانکم سے، مگر ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کو فواحدۃ کے ساتھ جن حضرات نے متعلق گردانا اُن پر الزام کہ ـــــ ،، پھاند کر معطوف کے بعد آنے کی کیا وجہ ہوئی، بالخصوص جہاں شبہ ہو کہ بجائے معطوف علیہ کے معطوف کے ساتھ تعلق سمجھ لیا جائے گا[له]،، ـــــ اور اپنے اس طفرہ کے لئے ،، واو عطف بقاعدۂ وصل و فصل ،، کا سہارا لیا گیا، حالانکہ یہ سہارا تشبث بالحشیش کے مصداق ہے، کیونکہ فرض کرلیجئے کہ وما ملکت ایمانکم نہ ہوتا تو کیا فواحدۃ کے بعد واو عطف نہ آتا، اور صرف فواحدۃ اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ ہوتا؟ یا فانکحوا ما طاب لکم من النساء کے بعد یہ جملہ ہوتا تو کیا بغیر واو عطف کے یوں ہوتا کہ فانکحوا ما طاب لکم

له - الدر الثمین صفحہ ۲۴

من النساء اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ، یا فرض کرلیجئے کہ اس کا تعلق صرف ما ملکت ایمانکم کے ساتھ ہوتا تو کیا پھر اوما ملکت ایمانکم اٰتوا النساء ہوتا؟ کس قدر حیرت کی بات ہے آپ کا یہ فرمانا کہ ،، اس واو عطف نے بتا دیا کہ اس کا تعلق اوپر سے ہے، اس جملے سے نہیں ہے جس کے بعد یہ آیا ہے ورنہ واو عطف نہ آتا ،، آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا تعلق ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کے ساتھ قرار دے کر دیکھئے، واو عطف کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں؟ ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ ادب و نحو کی کسوٹی پر پورے اتریں گے؟ اس سے زیادہ میں کیا عرض کروں؟

اس قاعدہ (وصل و فصل) کا محور تو مفہوماً شدت اتصال یا شدت انفصال کا انتفا اور درمیانی درجہ کا وجود ہے، نہ کہ قرب و بعد مکانی۔ مگر سمجھ لیا گیا ہے مکانی قرب و بعد۔ پس اب اگر اس قول پر وہی اعتراض ذرا سا الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ذکر کردیا جائے۔ جو ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کو فواحدۃ کے ساتھ متعلق گرداننے والوں پر کیا گیا ہے، تو بالکل چسپاں ہوجاتا ہے بایں طور کہ:-

اگر ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کا تعلق معطوف علیہ سے تھا تو اس کو پھاند کر معطوف کے بعد آنے کی کیا وجہ ہوئی، اگر وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا وما ملکت ایمانکم کہا جاتا تو عبارت میں کون سی خرابی پیدا ہوجاتی بلکہ عبارت واضح ہوجاتی اس لئے کہ معطوف علیہ سے جو جملہ یا

اگر وٰاتوا النساء صدقٰتھن کا تعلق معطوف علیہ سے تھا تو اس کو پھاند کر معطوف کے بعد آنے کی کیا وجہ ہوئی اگر وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ اوما ملکت ایمانکم کہا جاتا تو عبارت میں کون سی خرابی پیدا ہوجاتی بلکہ عبارت واضح ہوجاتی اس لئے کہ معطوف علیہ سے جو جملہ یا

فقرہ متعلق ہو اس کو معطوف کے بعد آنا بالکل خلاف فصاحت ہے خصوصاً جہاں اس کا شبہ ہو کہ اس کا تعلق معطوف علیہ کی جگہ معطوف سے سمجھ لیا جائے گا۔
(الدر الثمین صفحہ ۴۴)۔

فقرہ متعلق ہو اس کو معطوف کے بعد آنا بالکل خلاف فصاحت ہے خصوصاً جہاں شبہ ہو کہ اس کا تعلق معطوف علیہ کی جگہ معطوف سے سمجھ لیا جائے گا۔

فرمائیے اس طرح کے شبہات اور اس قسم کی تشکیکیں اپنے اندر کتنا وزن رکھتی ہیں؟۔

ت یہ ہے کہ اصول مسلمہ موضوعہ کے طور پر یہ فرض کر لیا گیا ہو کہ آقا اپنی مملوکہ کو تو (بلا نکاح) فراش بنا ہی نہیں سکتا اور یہ چیز گویا ثابت شدہ ہے، اسی کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ خاطر ہے کہ ایک شخص کی مملوکہ اس کی مملوکہ رہتے ہوئے اس کی منکوحہ نہیں رہ سکتی، اسلئے ایک طرف استمتاع کے لئے نکاح کا حکم دینا ضروری، اور دوسری طرف آقا کی ملکیت سے نکالنا بھی ضروری لہٰذا نکاح و ملکیت کے درمیان عدم ملکہ کا سا تقابل پیدا کرکے نکاح کو قاطع رقیت قرار دیدیا، کیونکہ اور کوئی شے ایسی نظر آئی نہیں جو قاطع رقیت بن سکے، لیکن دو باتیں دقت طلب اور قابل حل رہ گئیں، ایک تو یہ کہ جب نفس نکاح قاطع رقیت ہے تو دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کرنے کی صورت میں وہ آزاد کیوں نہ ہوگی؟ لہٰذا اس شکل میں بھی آزادی اس کے گلے منڈھ دیگئی دوسرا سوال یہ تھا کہ آزادی کے لئے زر فدیہ کا انتظام کہاں سے ہو، اور پھر جو رقم زر فدیہ بنائی جائے تو یہ کیا ضرور کہ مملوکہ اس رقم کو زر فدیہ بنا کر آقا کو حوالہ کرنے پر آمادہ بھی ہو، لہٰذا اپنی مملوکہ کے وقت تو "حساب دوستاں در دل" کا چور دروازہ پیدا کیا گیا، اور دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کرنے کی صورت میں

زر مہر آقا کو دلوا دیا گیا، اور ان تخیلات کے لئے جائے پناہ وآتوا النساء الآیہ اور ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا بنائے گئے، پر اس کو کیا کیجئے کہ ان دونوں آیات میں سے کوئی بھی مفید مقصد نہ بن سکیں جن کی پوری تشریح اس بحث اور سابق صفحات میں گزر چکی۔

لا تعولوا کو او ما ملکت ایمانکم کے ساتھ متعلق مان کر اس کا ارشاد کردہ معنی عدم مشقت لیں، تو عدم مشقت کا یہ مفہوم کہ "بلا ادائے زر مہر" کس نص سے ثابت فرمایا گیا ہے؟ اور اس پر کونسی دلیل لائی گئی ہے؟ پھر عدم مشقت کا مذکورہ مفہوم اس لئے بھی نہیں لیا جا سکتا کہ ابھی ادائے صدقات، اعطائے اجور مفروضہ اور اس کی فرضیت کا قصہ ہی کہاں ہے؟ اسکے بارے میں تو آگے وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ ——— فآتوھن اجورھن فریضۃ ——— وآتوھن اجورھن بالمعروف کے تذکرے ہیں، پہلے یہ سب بیان ہو چکے ہوتے تو خیر کہا جا سکتا تھا کہ اپنی مملوکہ سے نکاح کرنے میں ——— "ادائے زر مہر سے نجات ہے" ——— ابھی تو انسان گھبرا اٹھے گا کہ یا اللہ یہ محسوب وحسوب کا قضیہ کہاں سے نکل کھڑا ہوا؟ کیونکہ ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا تک کچھ نہیں معلوم کہ نکاح کرنے پر منکوحہ کے نفقہ و سکنیٰ کی ذمہ داری کے علاوہ اس کو کچھ اور بھی دینا ہے، مہر کی جانب سے تو انسان ابھی تک بالکل تاریکی میں ہے، یہ تو قبل از مرگ قسم کی شکل ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء ...... او ما ملکت ایمانکم میں صرف اپنی مملوکہ داخل ہے یا اپنی ہوں یا غیر کی دونوں شامل ہیں؟ آپ کے اس ارشاد کہ ——— "مختصر یہ کہ یہ آیت اپنی لونڈی سے نکاح ہی کرنے کے لئے نص صریح ہے" ——— میں گنجائش ہے کہ اپنی ہوں

یاغیر کی دونوں شامل ہیں، کیونکہ آپ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اپنی ہی ملک یمین سے الخ جس کی تفصیل ایک موقع پر آپ سے بالمشافہ گفتگو کے حوالہ سے بیان کی جاچکی ہے، تو جب آپ کی اس مذکورہ عبارت میں گنجایش ہے اور آپنے بالمشافہ گفتگو کے موقع پر فرمایا بھی کہ اس سے اپنی اور غیر کی دونوں مراد لیجاسکتی ہیں اور آیت مانع نہیں ہے، تو اب عرض ہے کہ جب اپنی اور غیر کی دونوں مراد لی جاسکتی ہیں تو ظاہر ہے کہ ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا کا تعلق حسب ارشاد صرف ماملکت ایمانکم کے ساتھ قرار دیے جانے کی شکل میں عدم مشقت کا مذکور الصدر مفہوم (بلا ادائے زرمہر) اپنی مملوکہ سے نکاح کرنے کے وقت بھی صادق آنا چاہئے اور غیر کی مملوکہ سے نکاح کی صورت میں بھی کما لایخفیٰ علیٰ من لہ ادنیٰ حل۔ مگر افسوس ہے کہ اس جانب آپ کی نگاہ نہ گئی کہ اپنی مملوکہ سے نکاح کرنے کے وقت تو "زرمہر سے نجات،، (حساب دوستاں در دل کرکے) صادق آتا ہے، مگر دوسرے کی ملک یمین سے نکاح کی صورت میں عدم مشقت کا مذکور الصدر مفہوم (بلا ادائے زرمہر) صادق ہی نہیں آتا، جیسا کہ خود آنجناب تحریر فرماتے ہیں کہ :—

"ورنہ اجنبی عورت سے نکاح کروگے تو چاہے وہ دوسرے کی ملک یمین ہی کیوں نہ ہو اس کو اس کا زرمہر منسی خوشی دیدو (دینا پڑے گا) ص۲۵

میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اصل یہ ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ میں دو چیزیں بتانی مقصود ہیں ایک تو یہ کہ نکاح حرّہ اور (کسی کی) مملوکہ دونوں سے کیا جاسکتا ہے اور دوسری چیز تعداد نکاح اور شرائط، پس ماملکت ایمانکم

کا عطف النساء پر ہو یا جملہ کا جملہ پر بہرحال وہ ہوگا تو فانکحوا ہی کے ماتحت یعنی فانکحوا ما طاب لکم من النساء .... (اور فانکحوا) ما ملکت ایمانکم یہیں سے ایک بات معلوم ہوگئی وہ یہ کہ حرہ اور مملوکہ دونوں کو ایک شخص تحت النکاح نہیں رکھ سکتا، اسے یا تو حرّہ ہی سے نکاح کرنا ہوگا یا مملوکہ ہی سے۔ جیسے کہا جاتا ہے اقتل زیداً او بکراً۔ اُدعُ زیداً او بکراً کہ ان سے یہی معنی مقصود ہوتے ہیں کہ قتل یا تو صرف زید کو کیا جائے گا یا صرف بکر کو — بلایا جائے گا صرف زید کو یا صرف بکر کو، دونوں کو قتل نہیں کرسکتے۔ اور دونوں کو بلا نہیں سکتے۔ اسی طرح یہ آیت عام حالات میں صرف کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے لیکن کب اور کس حال میں، کسے اختیار کریں، یہ آیت اس کو نہیں بتاتی، اس کی وضاحت و تعیین کے لئے آگے ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ ارشاد فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس آیت (ومن لم یستطع منکم طولا) میں باذن اھلھن کا قرینہ واضح یقینی طور پر بتارہا ہے کہ دوسرے کی ملک یمین مراد ہے، اور یہ آیت ایک اصول کا پتہ دے رہی ہے وہ یہ کہ مستطیع اور غیر مستطیع دو طرح کے مرد ہوتے ہیں، لہذا اصولی طور پر دونوں کے واسطے راہوں کی تعیین ہوجانی چاہئے اس طور پر یہ کلیہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مستطیع کے لئے حرّہ اور غیر مستطیع کے لئے مملوکہ سے نکاح کا اذن ہے، اور یوں واضح طور پر یہ آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء .... او ما ملکت ایمانکم کا فیصلہ کردیتی ہے کہ ما ملکت ایمان اخوانکم ہی مراد ہے، غرض! مملوکہ سے نکاح کی شرط جب عدم استطاعت ٹھہری تو معلوم ہوگیا کہ وسعت و استطاعت طول ہو تو حرہ سے نکاح کریں گے اور عدم استطاعت طول ہو تو کسی کی مملوکہ سے باذن اہلہا،

اور حرّہ تحت الیسد ہو تو اب دوسرا نکاح کسی کی مملوکہ سے نہ کرنا ہوگا، یا تو
کسی حرہ ہی سے کیا جائے گا یا اُسی پر اکتفا[1] کرنا پڑے گا۔ جب مملوکہ زیرِ نکاح
ہو تو چونکہ عدم استطاعت کے سبب وہ زیرِ عقد لائی گئی ہے اسلئے ایسے موقع
پر از خود حرہ سے نکاح کی سبیل نہ ہوگی، ورنہ کس کو پڑی ہے کہ حرہ سے نکاح
کی قدرت کے باوجود مملوکہ سے نکاح کرے گا۔ کیونکہ گزشتہ صفحات میں قرآن
سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ لونڈی رہے گی اپنے آقا کی اور زوجہ رہے گی اپنے
شوہر کی اور یوں بے شمار موانع وعوائق کا سامنا ہوتا[2] رہے گا۔ یہی سبب ہے کہ
آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ میں اوما ملکت ایمانکم کے
بعد تحدید کے لئے مثنیٰ وثلاث وغیرہ نہ کہا گیا جیسا کہ من النساء
کے بعد کہا گیا۔ کیونکہ جہاں دوسری مملوکہ سے نکاح کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک حرہ کی
صلاحیت ہے، اسلئے کہ مملوکۂ منکوحہ کے حقوق و احکام نصف ہیں، دو مملوکہ کو
زیرِ نکاح رکھ سکنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوتا ہے کہ ایک حرہ کو
زیرِ نکاح رکھ سکتا ہے۔ نیز ذلک لمن خشی العنت اسے اور پختہ کر دیتا ہے
کہ جب ایک مملوکہ سے نکاح ہو گیا، تو علاوہ اس کے کہ عدم استطاعت کے سبب
اب دوسرے نکاح کی سبیل نہیں، خشیۃ عنت مستقل ایک سد ہے۔ جو دوسرے
کی مملوکہ سے نکاح کو روک رہا ہے۔ کہ اب کون سا عذر ہے اور کون سی مجبوری؟
اسے اور واضح طور پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ مملوکہ سے نکاح کی دو مستقل شرطیں ہیں

[1] کذا قال ابو حنیفۃ رح انہ اذا کان تحتہ الحرۃ لم یجز لہ نکاح
الامۃ۔

[2] تلقین صبر (وان تصبروا فھو خیر لکم) کا یہی راز ہے۔

جن میں شرط ثانی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

۱۔ عدم استطاعت طول۔

۲۔ خشیۃ عنت۔ بلکہ محور اصلی یہی ہے، مملوکہ سے اذنِ نکاح کا، کیونکہ
ومن لم یستطع منکم طولا کے بعد ذالک لمن خشی العنت[1] کہنا مملوکہ
سے نکاح کی قید (عدم استطاعت) کو مزید مقید کرنا ہے، اور بطور علت اس کا ذکر
ہے۔ پس معلوم ہوا کہ در اصل یہی موقوف علیہ ہے مملوکہ سے اذن نکاح کا۔ ورنہ
نفس عدم استطاعت کافی نہیں، کیونکہ اس کے بعد وان تصبروا فھو خیر لکم
ہے اور دوسری جگہ ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ
من فضلہ فرما کر فضل الٰہی تک مطلقاً نکاح سے روکا جا رہا ہے لیکن عقلاً
و درایتاً یہ روک اسی وقت تک ہوگی جب تک حملۂ امراض کا قوی امکان،
ہلاک نفس کا قوی خطرہ اور جذبات بے قابو ہونے کی سرحد تک نہ آ لگے ہوں
کما شرحنا۔

[1] ہاں! اب ذرا اس ذالک لمن خشی العنت کے آئینہ میں "بعض فقہا" کی اس تحریر
کو دیکھا جائے جس کے متعلق یوں خامہ فرسائی کی گئی ہے:-

"......... یہاں ان لونڈیوں کو کہا گیا ہو کہ تم محصنہ بنکر کسی کی
فراش بنو، محض کسی کی شہوت رانی کا آلۂ کار نہ بنو، مگر افسوس کہ
ہمارے بعض فقہا نے کس دلیری سے لکھ دیا کہ ان وطی الامۃ
یقصد بھا قضاء الشھوۃ دون الولد۔ ان روایات
موضوعہ نے کیسے کیسے اکابر کی ذہنیت بدل دی فیا حسرتاہ" ص ۲۹

دقیق النظری اور تدبر کو دخل دیا جائے تو بعض فقہا کی اس "دلیرانہ تحریر" اور پھر ان کی
(باقی صفحہ ۱۰۶ پر)

پس جب دونوں مذکورہ شرائط پائے جائیں گے تب مملوکہ سے نکاح کا اذن ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو پھر اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ ایک مملوکہ سے نکاح کے بعد دوسری شرط لامحالہ نہیں پائی جائے گی لہٰذا مملوکہ سے نکاح کرنے کی صورت میں چند تعداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب ایک سے زیادہ کی سبیل ہی نہیں تو نہ تحدید کے لئے مثنیٰ وثلاث وغیرہ لاکر تحدید کی حاجت تھی اور نہ عدل کی شرط لگانے کی، بخلاف حرائر سے نکاح کے،

(باقی صفحہ ۱۰۵)
ذہنیت پر ماتم کرنے کے بجائے ان بعض فقہا کی بصیرت اور روح آیت تک اُن کے فکر و نظر کی رسائی کے سامنے اپنے عجز کی منزل نظر آئے گی، اور حیرت بالائے حیرت یہ کہ قضاء الشہوۃ کو شہوت رانی سمجھا گیا، سمجھ میں نہیں آتا کہ زمخشری اور صاحب لسان العرب وصاحب تاج العروس وغیرہ کو عربیت سے نابلد شمار کرنے والی ادبیت ایسی فاش ٹھوکر کیسے کھا گئی؟ البیان کے دیدہ پر حیرت نہیں ہے جنھوں نے آپ کی ہم نوائی کرتے ہوئے ہدایہ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ "لونڈی سے وطی کرنا محض شہوت رانی کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اولاد کے لئے" لکھدیا، کیونکہ ان حضرات کا مشن ہی یہ ہے کہ محدثین وفقہاء کو متہم ومطعون کیا جائے، اور رسولؐ کو درمیان سے ہٹا کر قرآن کی من مانی تشریح وتفسیر کی جائے، حیرت اسپر ہے کہ آپ کا قلم فقہا کو ہدف ملامت بنانے کے درپے یہاں تک ہو گیا کہ "محض کسی کی شہوت رانی کا آلہ نہ ہو" ——— لکھ کر ہدایہ کی عبارت اس ثبوت میں پیش کر دی کہ انھوں نے لونڈی کو شہوت رانی کا آلہ بنایا اور خیاحسن تالہ کہہ کر ان پر فاتحہ پڑھ لی گئی۔ کیا شہوت رانی کو عربی زبان میں قضاء الشہوۃ کہتے ہیں؟ یا اگر سارے ادبا اور ائمہ فن اور ماہرین محاورۂ عرب نفی میں جواب دیں تو مقالہ کی طرح سمجھ لیا جائے کہ "یہ عربیت سے نابلدی ہے"؟

کہ اس میں چند کی اجازت تھی اس لئے تحدید بھی کر دی اور عدل کا ذکر بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ من النساء کے بعد ہی تحدید وعدل کے قصے ختم کر کے معطوف (ما ملکت ایمانکم) ذکر کیا

ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا، اس کا تعلق کس کے ساتھ ہو گا؟ اور اسکے کیا معنی ہوں گے، فواحدۃ کے ساتھ متعلق گردانئے اور جور ومیل کا معنی لیجئے یا اگر ما ملکت ایمانکم ہی کے ساتھ متعلق کر کے معنی عدم مشقت ہی پر اصرار ہے تو یہی سہی، مگر اس عدم مشقت کا ارشاد کردہ مطلب ——— "زر مہر سے نجات" ——— نہیں ہو سکتا، جیسا کافی بحث کی جا چکی ہے، بلکہ یہ ہو گا کہ مملوکہ سے نکاح کرو گے تو اپنے عدم استطاعت کے باعث مشقت میں گرفتار ہو کر تنگدستی اور فقر و بے چارگی کے تہلکہ سے محفوظ رہو گے۔ کس طرح؟ ظاہر ہے کہ حرہ کے معیار زندگی کے مطابق بنیادی ضروریات اور اس کے لئے انتظام معیشت ایک نادار انسان اور فلاش آدمی کے لئے دشوار تر ہے، ملک یمین (جس کے حقوق حرہ سے نصف ہیں) کی ضروریات زندگی کی کفالت ایسا شخص کر لے جائے تو بڑی بات ہے۔ یہ ہے عقل سلیم کا فیصلہ، حرہ اور مملوکہ کے معیار زندگی کی بلندی وپستی کو ہر سمجھدار انسان سمجھ سکتا ہے اور اسی لئے ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ میں مملوکہ کے مہر کے متعلق بالمعروف کا ٹکڑا لگایا گیا، اور حرائر کے مہر کو صدقاتھن نحلۃ سے تعبیر کیا جس میں تفوق کا پہلو عیاں ہے۔

۱؎ اگر کہا جائے کہ جس طرح عدم مشقت بایں معنی کہ ——— "زر مہر سے نجات" ——— اس وجہ سے درست نہ ہوا کہ زر مہر کی فرضیت اور اس کے دینے لینے کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا ہے، اسی طرح عدم استطاعت کا بھی تو ذکر بعد میں آرہا ہے؟ (باقی صفحہ ۱۰۸ پر)

باقی رہا، اس کا معنی کثرت عیال سے پریشان نہ ہونا، اگر لیا جائے تو یہ بھی نادرست نہ ہوگا، کیونکہ جب قرآن کے معلّم و مُبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ مفہوم (لاتجودوا ولا تمیلوا) نہ لے کر عدم مشقت بمعنی ــــ "زر مہر سے نجات"، ــــ "نہ خواہ مخواہ کی کھینچ تان ہے"

(باقی صفحہ ۱۰۷) تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی کی کفالت خوہر کے ذمہ اتنی کھلی ہوئی، اتنی عام اور اس قدر شائع و ذائع ہے کہ ہر شخص فطرۃً، عادۃً، عقلاً اور تجربتاً، چاہے کسی مذہب کا ہو، جانتا ہے، ایسا ہی ہوتا آیا ہے، ہو رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، ایک عامی سے عامی انسان بھی جانتا ہے کہ نکاح کرنے کے بعد بیوی کی بنیادی ضروریات کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے اور یہی سبب ہے کہ قرآن نے یہاں مہر کی فرضیت کو تو بیان کیا، مگر اس کی ہدایت نہ کی کہ تم پر اپنی ازواج کی بنیادی ضروریات کی کفالت فرض ہے۔ لہٰذا عدم مشقت کا یہ مطلب (عسرت و احتیاج اور فقر و بیچارگی میں گرفتار نہ ہونا) سمجھنا اس تصریح پر موقوف نہیں کہ تم پر اپنی ازواج کی ضروریات زندگی کی کفالت فرض ہے، بخلاف ــــ "زر مہر سے نجات"، ــــ کے، کہ اسکے سمجھنے کے لئے پہلے اس کا علم ہونا چاہیئے کہ زر مہر کی ادائگی مفروض ہے۔ بلکہ عدم مشقت کو اگر زر مہر کے ساتھ متعلق ہی کر لیا ہے تو اس (زر مہر) سے نجات عدم مشقت کا مصداق نہ ہوگا، بلکہ زر مہر کی زیادتی و کمی کے لحاظ سے عدم مشقت ہو سکتا ہے کیونکہ ہر ذی ہوش اتنا ضرور سمجھتا ہے کہ ایک آزاد عورت کا زر مہر زیادہ ہونا چاہیئے۔ اور ایک مملوکہ کا کم۔ زر مہر کی زیادتی ادائگی کے لحاظ سے باعث زحمت و مشقت ہے اور اس کی کمی میں ادائگی کی سہولت ہے۔ ادائگی و نادہندگی زر مہر کے دینے اور نہ دینے کے تو احتمالات ہی پیدا نہیں ہوتے، ادائگی سے تو مفر کسی حال میں نہیں، فما استمتعتم بہ

(باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

اور نہ اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مفہوم ــــ "کسی طرح نہیں ہو سکتا"، ــــ تو امام شافعیؒ کا یہ معنی لینا کہ ــــ "تا کہ کثرت عیال سے پریشان نہ ہو جاؤ"، ــــ کس طرح حسب ارشاد ــــ "خواہ مخواہ کی کھینچ تان[۱]"، ــــ ہوگا، اور اس معنی کے بارے میں یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ ــــ "یہ معنی کسی طرح نہیں[۱] ہو سکتا"، ــــ کیونکہ "خواہ مخواہ کی کھینچ تان" ہوا اگر یہ مطلب ہو کہ لغت کی رو سے یہ معنی درست نہیں تو۔ اس کے لئے لسان العرب ج ۱۳ صفحہ ۵۱۰ بہترین شاہد ہے۔ ملاحظہ ہو

.... الکسائی عال الرجل یعول اذا افتقر و

من العرب الفصحاء یقول عال یعول اذا اکثر عیالہ

قال الازھری و ھذا یؤید ما ذھب الیہ الشافعیؒ

(بقیہ صفحہ ۱۰۸) منھن فأتوھن اجورھن فریضۃ بالکل عام ہے یعنی منھن کی ضمیر (ھن) سے پہلے یہ بتایا کہ مذکورہ دونوں انواع (النساء ـــ ماملکت ایمانکم) میں سے جس سے بھی نکاح کر کے استمتاع کرو تو انھیں ان کے اجور دو جن کی ادائگی تم پر فرض ہے۔ "و اٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ" میں تو النساء کے باعث حرائر کے زر مہر مراد ہوں گے، مگر یہاں فاتوھن ہے جو ہر اس عورت کے متعلق کہا جا رہا ہے جس سے نکاح کر کے استمتاع کیا جائے، عام ازیں کہ وہ حرہ ہو یا مملوکہ۔ ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ "جو عموم اور اطلاق بدلیل قطعی مذکور ہو اگر اس کی تخصیص یا تقیید ہو سکتی ہے تو وہ بھی دلیل قطعی ہی سے (ص۲۳۳) مگر اپنی مملوکہ نکاح کے وقت زر مہر کی ادائگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر منھن اور فاتوھن کی ضمائر (ھن) کو حرائر کے ساتھ خاص کرنے کی کون سی قطعی دلیل ارشاد فرمائی گئی ہے؟

[۱] دیکھئے الدر الثمین ص۲۴۷

فی تفسیر الآیۃ لان الکسائی لا یحکی عن العرب الا

ما حفظہ وضبطہ۔

اس کے بعد دیکھئے ازہری کیا کہتاہے، اور کس چیز کا اعتراف کرتاہے:۔

........قول الشافعی نفسہ حجۃ لانہ رضی

عربی اللسان فصیح اللھجۃ........ ولایجوز

للحضرمی ان یعجل الی انکار مالا یعرفہ من

لغات العرب۔۔

اور اگر اس معنی کے "کسی طرح نہ ہوسکنے" کا مطلب یہ ہے کہ معنی درست نہیں ہوتا، تو بھی قابل تسلیم نہیں، کیونکہ فواحدۃ کے ساتھ اس کو متعلق گردانئے یا ماملکت ایمانکم کے ساتھ، نتیجہ دونوں کا واحد ہے، اول الذکر میں تو ظاہر ہے کہ ایک ہی سے نکاح کرنے کے بعد یہ کہا جارہا ہے، اور ثانی الذکر میں میں بتا چکا ہوں کہ زیر عقد ایک ہی مملوکہ آسکتی ہے، غرض، بہرحال ایک ہی سے نکاح کے وقت یہ جملہ کہا جارہا ہے، اور جب ایک ہی سے نکاح کیا جائے تو عمومی حالات کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ عیال کی تعداد اتنی نہ ہوگی جتنی ایک سے زائد نکاح کرنے میں ہوگی، اور پھر کثیر عیال کی کفالت کے باعث مشکلات و مصائب جو پیش آتے رہتے ہیں ان سے نجات رہے گی اور —— چہ خورد بامداد فرزندم کی اذیت روحانی، پریشان خاطری دماغی پراگندگی اور ذہنی توازن کے برقرار نہ رہنے کی دردناکیوں سے بڑی حد تک انسان محفوظ رہ سکتا ہے اور آجکل تو یہ منظر ۵ وفی صدی ایسے گھروں میں نظر آرہا ہے، جہاں ایک ہی ایک بیوی ہے، کیا حال ہوتا اگر دو ہوتیں، اور اولاد میں اسی تناسب سے کثرت ہوتی؟ تین اور چار

بیویوں کا تو اس دورِ فلاکت زدہ اور ماحول کی ان ناسازگاریوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا کا تعلق نہ صرف فواحدۃ کے ساتھ ہو، اور نہ صرف ماملکت ایمانکم کے ساتھ، بلکہ اس اسم اشارہ (ذالک) کو مذکورہ دونوں صورتوں کے لیے رکھا جائے۔ آیت میں تردیدی شکل موجود ہی ہے، یوں کہ یہ امر یعنی ایک سے نکاح کروگے یا مملوکہ سے (مملوکہ سے نکاح بہرحال ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ بتایا جاچکا ہے) تو تم جور و میل نہ کرسکوگے —— یا —— مشقت (فقر و بیچارگی) میں نہ پڑوگے —— یا —— کثرت عیال سے پریشان نہ ہوگے عول کا جو معنی دل چاہے لیجئے۔

اس کے بعد آتا ہے واٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ، یہاں النساء سے وہی مراد ہے جو ماطاب لکم من النساء میں النساء سے مراد ہو یعنی حرائر کے زر مہر دو، اس مراد کے لئے اسکے ماسبق کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ —— "واو عطف بہ قاعدۂ وصل و فصل" —— نہیں ہے، جو ارشاد ہوا ہے بلکہ اظہار بجائے اضمار ہے، اگر حرائر اور اماء دونوں مراد ہوتیں تو واٰتوھن صدقاتھن ہوتا، ھن کی ضمیر نہ لاکر النساء ذکر کرنا، اس امر کی طرف مشیر ہے کہ حرائر مراد ہیں، مملوکہ کے زر مہر کے بارے میں ابھی کچھ نہ کہا، کیونکہ اس سے نکاح مشروط تھا، اس لئے اس کو اٹھا رکھا گیا اس موقع کے لئے جب شرطیں بتائی جائیں گی۔ چنانچہ جب ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ کے ذریعہ شرائط کا بیان ہوا، تو اس وقت واٰتوھن اجورھن بالمعروف فرماکر اس کی تصریح کردی کہ زر مہر سے نجات نہیں، اگرچہ اس کے پیشتر فما

فی تفسیر الآیۃ لان الکسائی لا یحکی عن العرب الا

ماحفظہ وضبطہ۔

اس کے بعد دیکھئے ازہری کیا کہتا ہے، اور کس چیز کا اعتراف کرتا ہے:۔

.... قول الشافعی نفسہ حجۃ لانہ رضی

عربی اللسان فصیح اللھجۃ .... ولا یجوز

للمحضری ان یعجل الی انکار ما لا یعرفہ من

لغات العرب۔

اور اگر اس معنی کے "کسی طرح نہ ہوسکنے" کا مطلب یہ ہے کہ معنی درست نہیں ہوتا، تو بکلی قابل تسلیم نہیں، کیونکہ فواحدۃً کے ساتھ اس کو متعلق گردانئے یا ماملکت ایمانکم کے ساتھ، نتیجہ دونوں کا واحد ہے، اول الذکر میں تو ظاہر ہے کہ ایک ہی سے نکاح کرنے کے بعد یہ کہا جا رہا ہے، اور ثانی الذکر میں میں بتا چکا ہوں کہ زیر عقد ایک ہی مملوکہ آسکتی ہے، غرض، بہرحال ایک ہی سے نکاح کے وقت یہ جملہ کہا جا رہا ہے، اور جب ایک ہی سے نکاح کیا جائے تو عمومی حالات کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ عیال کی تعداد اتنی نہ ہوگی جتنی ایک سے زائد نکاح کرنے میں ہوگی، اور پھر کثیر عیال کی کفالت کے باعث مشکلات و مصائب جو پیش آتے رہتے ہیں ان سے نجات رہے گی اور ـــــ چہ خور دبا مداد فرزندم کی اذیت روحانی، پریشان خاطری دماغی پراگندگی اور ذہنی توازن کے برقرار نہ رہنے کی دردناکیوں سے بڑی حد تک انسان محفوظ رہ سکتا ہے اور آجکل تو یہ منظر ۹۵ فی صدی ایسے گھروں میں نظر آرہا ہے، جہاں ایک ہی بیوی ہے، کیا حال ہوتا اگر دو ہوتیں، اور اولاد میں اسی تناسب سے کثرت ہوتی؟ تین اور چار

بیویوں کا تو اس دور فلاکت زدہ اور ماحول کی ان ناسازگاریوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا کا تعلق نہ صرف فواحدۃً کے ساتھ ہو، اور نہ صرف ماملکت ایمانکم کے ساتھ، بلکہ اس اسم اشارہ (ذالک) کو مذکورہ دونوں صورتوں کے لیے رکھا جائے۔ آیت میں تردیدی شکل موجود ہی ہے، یوں کہ یہ امر یعنی ایک نکاح کروگے یا مملوکہ سے (مملوکہ سے نکاح بہرحال ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ بتایا جاچکا ہے) تو تم جور و میل نہ کرسکوگے ـــــ یا ـــــ مشقت (فقر و بیچارگی) میں نہ پڑوگے ـــــ یا ـــــ کثرت عیال سے پریشان نہ ہوگے قول کا جو معنی دل چاہے لیجئے۔

اس کے بعد آتا ہے وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ، یہاں النساء سے وہی مراد ہے جو ما طاب لکم من النساء میں النساء سے مراد ہو یعنی حرائر کے زر مہر وا اس واؤ کے لئے اپنے ماسبق کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ ـــــ "واو عطف بہ قاعدۂ وصل و فصل" ـــــ نہیں ہے، جو ارشاد ہوا ہے بلکہ اظہار بجائے اضمار ہے، اگر حرائر اور اماء دونوں مراد ہوتیں تو وآتوھن صدقاتھن ہوتا، ھن کی ضمیر نہ لاکر النساء ذکر کرنا، اس امر کی طرف مشیر ہے کہ حرائر مراد ہیں، مملوکہ کے زر مہر کے بارے میں ابھی کچھ نہ کہا، کیونکہ اس سے نکاح مشروط تھا، اس لئے اس کو اٹھا رکھا گیا اس موقع کے لئے جب شرطیں بتائی جائیں گی۔ چنانچہ جب ومن لم یستطع منکم طولا الآیہ کے ذریعہ شرائط کا بیان ہوا، تو اس وقت وآتوھن اجورھن بالمعروف فرماکر اس کی تصریح کردی کہ زر مہر سے نجات نہیں، اگرچہ اس کے پیشتر فما

استمتعتم به منهن الآیہ کے ذریعہ یہ کلیہ بیان کر دیا گیا تھا کہ نکاح کرکے استمتاع کے لئے، عام ازیں کہ النساء سے نکاح ہو یا ماملکت ایمانکم سے، اجر مفروضہ کی ادائیگی ضروری ہے، لیکن حرہ کے زرِ مہر کی طرح خاص مملوکہ کے زرِ مہر کی ادائیگی کی تصریح نہ کی تھی، وہ ومن لم یستطع منکم طولاً الآیہ کے سلسلہ میں کر دی، جبکہ مملوکہ سے شرائطِ نکاح کا بیان ہوا۔

اللہ اکبر! کتنا معجز اور موجز انداز بیان ہے، حرہ کے زرِ مہر کو صدقاتہن نحلۃ سے تعبیر کیا تاکہ اس کے تفوق اور اس کے بلند معیار پر روشنی پڑ جائے، اسکے بعد کلیۃً یہ بتایا کہ استمتاع بعد النکاح پر اجر مفروض کی ادائیگی ضروری ہے، اور چونکہ یہ ایک عام کلیہ تھا اس لئے فاتوھن اجورھن فریضۃ فرمایا بعدہ جب صرف مملوکہ کے زرِ مہر کی باری آئی تو بالمعروف کا ٹکڑا لگایا اور بتا دیا کہ زرِ مہر کی ادائیگی سے کسی حال میں بھی نجات و مفر نہیں، ہاں! زرِ مہر کا معاملہ چونکہ ازواج کے درجات و مراتب کے لحاظ سے ہے اور

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

اسلئے زیادتی و کمی ہو سکتی ہے، اور ایسا ہونا لازمی ہے مگر دیا جائے گا ضرور اور جسے دیا جائیگا اُسے اس پر تصرف کا کامل حق ہوگا کسی دوسرے کو اختیار نہیں کہ اسمیں تصرف بیجا کرے اور یہ مہر توثیق ثبت کر رہی ہے آیت فان طبن لکم عن شیء منہ الآیہ اور لا جناح علیکم فیما تراضیتم الآیہ فتبارک من اودع کلامہ من الاسرار ما یشہد بانہ تنزیل من حکیم حمید۔

اب چند باتیں صاف کرنی رہ جاتی ہیں، وہ یہ کہ بصورت استطاعت طول حرہ ہی سے نکاح کرنے کی تخصیص کیوں؟ ——— تو یہ اس لئے کہ المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجہا مکمل طور پر اسی وقت صادق آئے گا جبکہ

بیوی آزاد ہو، اگر کسی کی مملوکہ ہوگی تو دو ذمہ داریوں (حقوق شوہر اور حقوق آقا) کی ادائیگی میں دشواریاں پیش آئیں گی، اور آئے دن دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا ہوتا رہے گا، کما یفہم من ادنیٰ تامل ——— اور جب ایک مستطیع نے کسی حرہ سے نکاح کر لیا، اس کے بعد کسی مملوکہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کس مجبوری کی بنا پر اسے اس کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ جبکہ نہ وہ غیر مستطیع ہے اور نہ خشیۃ عنت ہو۔ اسی لئے ارشاد نبوی ہے کہ ولا تنکح الامۃ علی الحرۃ۔

اب ایک شکل رہ جاتی ہے وہ یہ کہ کسی غیر مستطیع نے کسی کی مملوکہ سے نکاح کیا، اس کے بعد اللہ نے اسکی "تنگدستی و عسرت کو دور کر دیا اور وہ غیر مستطیع نہ رہا، تو اب اگر وہ کسی حرہ سے نکاح کرنا چاہے تو کیوں نہ کرے؟ اسکے بارے میں اپنا خیال ظاہر کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کسی حرہ سے وہ کیوں نکاح کرنا چاہ رہا ہے؟ یا تو محض اس وجہ سے کہ اس زوجہ کی مملوکیت کے باعث اُسے وہ فوائد و سہولت حاصل نہیں ہے جو ایک زوجہ حرہ کی وجہ سے ہوتے، اگر محض یہ سبب ہے تو اسے چاہئے کہ اپنی زوجہ کو دامِ قید سے چھڑا لے[^] اور اپنی استطاعت سے یہ بہترین مصرف لے، اور جو زرِ مہر

[^] واضح رہے کہ آپکی جانب سے یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اسے اپنی بیوی کے آزاد کرانے پر مجبور کیوں کیا جا رہا ہے اس لئے کہ آپ نے غلام کے نکاح کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ غلام اگر صاحب ال ہو اور نکاح کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ پہلے زرِ فدیہ دیکر غلامی کی پھانسی سے اپنی گلو خلاصی کرے تب وہ نکاح کر سکتا ہے ورنہ نہیں (ملاحظہ ہو الدر الثمین ص۳) تو جس طرح غلام کے بارے میں آپکا یہ مشورہ (لے چاہئے) بمنزلہ فتویٰ کے ہوگا اسی طرح یہاں اس سے یہ کہنا کہ اپنی بیوی کی گلو خلاصی کا سامان اس زرِ مہر سے کر دے جو وہ حرہ سے نکاح کی شکل میں ادا کرتا، بمنزلہ حکم ہوگا، بالخصوص جبکہ اسے آزاد محصنہ کے فوائد و سہولت کے حصول کے ساتھ فک رقبہ کا ثواب بھی مل رہا ہے۔

دے کر وہ جن فوائد وسہولت کی خاطر حرہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو اس کار خیر میں صرف کرے، بیوی آزاد ہو جاتی ہے، فک رقبہ کا ثواب بھی اسے حاصل ہوگا، اور وہ سارے فوائد وسہولت اسے حاصل ہو جائیں گے جو حرہ سے نکاح پر ہوں گے۔ زر فدیہ جب اس کے آقا کو ملے گا تو پھر اسے رہا کر دینا تو اس پر فرض[1] ہوگا، یا حرہ سے نکاح کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اس بیوی (جو کسی کی مملوکہ ہے) سے اس کی طبیعت سیر ہو چکی ہے، غیر مستطیع ہے نہیں، اس لئے چاہتا ہے کہ کسی حرہ سے نکاح کرے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ فتذروها کالمعلقة کی رو سے اس کو حق حاصل نہیں کہ سیری طبع یا تنفر کے باعث نہ تو اس زوجہ سے ازدواجی تعلقات رکھے اور نہ طلاق دے اس لئے لامحالہ اسے طلاق دے کر تسریح باحسان پر عمل کرنا ہوگا، اس مرحلہ کے بعد وہ حرہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

رہا میرا خیال! تو سیدھی سی بات ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ اذن کے لئے ہے، اور اذن کے موقعہ پر دو باتوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرسکنے کو ظاہر کرنے والے جملہ کا استعمال مانعۃ الجمع ہی کے لئے نہیں ہوتا، استعمالات ومحاورات مانعۃ الخلو کی بھی شہادت دیتے ہیں عتق و فدیہ دونوں[2] کو خود آپ نے جمع کیا ہے، لہٰذا آیت مانعۃ الخلو کے لئے ہوگی، اور آپ جانتے ہیں کہ عام خاص من وجہ میں دو مادّے افتراق

---

[1] زر فدیہ ملنے پر آقا پر واجب ہو کر لونڈی غلام کو آزاد کردے، اسے چھوڑ دینا ہی پڑے گا، منہیہ الدر الثمین ص۵

[2] فاما منا بعد واما فداء الخ میں۔

کے اور ایک ہی مادہ اجتماع کا ہوتا ہے، بس اس مانعۃ الخلو کی وہ شکل جو دونوں کو جمع کرسکے، ایک اور صرف ایک نکلتی ہے، وہ یہی کہ عدم استطاعت کی حالت میں کسی مملوکہ سے کسی نے نکاح کیا، پھر جب اللہ نے اس کی عدم استطاعت طول کو استطاعت سے بدل دیا اور وہ کسی حرہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے[1]۔ لیکن کسی کی دوسری مملوکہ سے نکاح نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے شرائط (عدم استطاعت طول اور خشیۃ عنت) مفقود ہیں۔ اور عموم خصوص من وجہ کے اسی مادۂ اجتماع کو دراصل اس ارشاد نبوی نے ظاہر کیا ہے کہ وتنکح الحرۃ علی الامۃ

غرض شرائط اپنی جگہ پر رہیں گے، ارشاد نبوی اور روایت اپنی جگہ پر رہے گی، اور کسی کی مملوکہ سے نکاح کے لئے چند تعداد کی بہرحال شکل نہیں پیدا ہوتی، حتی کہ اس کے لئے تحدید کی ضرورت ہو، پس اس تقریر سے وہ تمام اشکالات جو اس آیت (فانکحوا ما طاب لکم الآیہ) کی ترکیب وغیرہ میں پیش کئے گئے اور مملوکہ سے نکاح کی صورت میں عربیت کی مہارت نے تحدید اٹھا کر ان سارے اشکالات کو سر بگریباں کر دیا جو "عربیت سے نابلدوں" نے مول لئے تھے، ساتھ ہی کسی نے مملوکہ سے نکاح کی صورت میں عدل کی قید اٹھا دی تو اس کی تردید کے لئے اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ ذکر فرمانے کی ضرورت پڑتی[2]۔ یہ ساری چیزیں صاف ہو گئیں اور سارے اشکالات دور ہو گئے۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

---

[1] اسی خیال سے میں نے اس بحث کی ابتدا میں فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کے سلسلہ تشریح میں — عام حالات کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ [2] الدر الثمین ص۲۵

الا ما ملکت ایمانکم سے اس لونڈی کو خارج قرار دیتے ہیں
.... اشتراک فراش کی وجہ تو فقہاء کی خود ساختہ قیاسی
وجہ ہے، کہنے والا کہے گا کہ جب قرآن نے اس موقع پر اشتراک فراش
کی اجازت دی ہے تو آپ محض قیاس کی بنا پر بلا دلیل قطعی اسکو
حرام کرنے والے کون ؟ کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تھا کہ اس صورت
میں اشتراک فراش ہو جائے گا، عام اشتراک فراش اگر معیوب ہے
تو محض عقلی، کوئی نص صریح اس کی حرمت کی پیش نہیں کی جاسکتی
.... ہمارے فقہاء کے پاس درحقیقت اس کا کوئی جواب نہیں
اور ساری خرابیاں صرف اس وجہ سے ہوئیں کہ لونڈی کو بلا نکاح
فراش بنانے کا جواز انھوں نے فرض کرلیا، ورنہ اس الجھاؤ میں کبھی
نہ پڑتے۔ صـ ۲۹ و ۳۰

ت :- خیر! یہ تو میں قرآنی تصریحات اور قرآنی نصوص کے اقتضا سے
ثابت کرچکا ہوں کہ لونڈی کا کسی سے نکاح کردینے کے بعد بھی وہ لونڈی
ہی رہتی ہے، اسے لونڈی ہی رہنا چاہیئے، ورنہ تصریحات قرآنیہ شرمندۂ معنی
و عمل نہ ہوں گی اور وہ قرآن جس کی یہ آیت ہے کہ فاذا احصن فان
اتین الفاحشۃ الآیہ اس قرآن سے تو یہ دلیل نہیں لائی جاسکتی کہ
" آقا نے اپنی اجازت سے اگر اس لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے
کردیا تو وہ آزاد ہوگئی، آقا کی لونڈی رہی نہیں "۔ اور پھر اردو کی یہ
عبارت کہ " آقا نے اپنی اجازت سے " الخ عربی مبین کا کوئی جملہ ہے؟
خود قرآن ہی سے دلیل " بن گیا؟ ہم سے تو نص صریح کا مطالبہ، اور خود اپنے
اس دعویٰ کے لئے وہی مصادرہ علی المطلوب۔ وہ کون سی آیت پیش کی گئی ہے،

۵ :- ملک یمین کے معنی میں الجھاؤ .... والمحصنات
من النساء الا ما ملکت ایمانکم .... یہاں مفسرین
کیوں نہیں الا ما ملکت کے عموم سے فائدہ اٹھاتے ؟ اگر لونڈی کا کسی
سے نکاح کردینے کے بعد بھی وہ لونڈی ہی رہتی ہے اور ان کے نزدیک
بلا نکاح فراش بنانا جائز ہے تو پھر اس آیت کی رو سے وہ لونڈی
(شوہر دار) ایک مشترکہ فراش رہے گی، .... مگر یہاں فقہاء
گھبرا کر بلا دلیل عموم لفظ سے گریز کرکے تخصیص کے قائل ہو جاتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ یہاں وہ شوہر دار ملک یمین مراد ہیں جنکے شوہر
دار الحرب میں ہیں یا قیدی کی حیثیت سے کسی کے یہاں غلامی کے
دن گزار رہے ہیں .... بات تو بالکل صحیح ہے میں بھی یہی کہتا
ہوں، مگر میرے پاس اسکی قرآن ہی سے دلیل ہے، وہ یہ کہ آقا
نے اپنی اجازت سے اگر اس لونڈی کا نکاح کسی دوسرے سے کردیا
تو وہ آزاد ہوگئی، آقا کی لونڈی رہی نہیں، اس لئے حقیقی معنی
میں ملکت ایمانکم ہی نہ رہی، تو پھر وہ المحصنات میں
داخل ہونے کی وجہ سے محرمات میں ہے، الا ما ملکت ایمانکم
میں داخل ہی نہیں رہی کہ المحصنات سے مستثنیٰ ہو اور حلال
سمجھی جائے تو جب یہاں وہ ملک یمین جس کا نکاح آقا نے
اپنی اجازت سے خود کسی سے کردیا ہے وہ یہاں مراد ہی نہیں تو پھر
کون سی ملک یمین مراد ہوگی ؟ وہی جو قید سے پہلے شوہر دار تھی
اور اب قید ہو کر ملک یمین بنی ہے۔ مگر جو لوگ لونڈی کو بیاہ دینے
کے بعد بھی لونڈی ہی باقی رکھتے ہیں، وہ کس دلیل شرعی سے یہاں

جس کا یہ ترجمہ ہو کہ "آقا نے اپنی اجازت سے" الخ

کیا طرفہ تماشہ ہے۔ فقہاء نے جو یہ کہا کہ یہاں وہ شوہردار لونڈیاں مراد ہیں جن کے شوہر دارالحرب میں ہیں تو ان کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ ہو گئی، اور خود ہی چند سطروں کے بعد جو یہ تحقیق فرمائی کہ:۔

(یہاں مراد وہ ملک یمین ہے) "جو قید سے پہلے شوہردار تھی اور اب قید ہو کر ملک یمین بنی ہے" تو یہ قرآنی نص کے درجہ میں؟

عقلی معیوب ہونے کی وجہ سے پیشہ کرانے کی ممانعت کے واسطے تو تنزیل آیت کی مطلقاً ضرورت نہ تھی، مگر اشتراک فراش کے معیوب عقلی ہونے کے باوجود، اس کی حرمت کے لئے نص صریح کا مطالبہ۔ کیا گورکھ دھندا ہے؟ صاحب! سیدھی سی بات ہے کہ شوہردار عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت کی جا رہی ہے، لیکن ایسی ملک یمین بھی تھیں جو قید سے پہلے شوہردار تھیں، یہاں ان کا استثناء کیا جا رہا ہے، کہ ان سے نکاح کر سکتے ہو، اب اس نکاح کے بعد وہ آزاد ہوں یا نہ ہوں، اس آیت سے اشتراک فراش کے جائز کر دینے کا مطالبہ کیسے ہو رہا ہے؟ اگر مطالبہ کیا جا سکتا تھا تو سورۂ مومنون یا معارج والی آیات کے ذریعہ سے، یہ آیت تو صرف اس چیز کو جائز کر رہی ہے کہ وہ لونڈی جو قید سے پہلے نکاح شدہ تھی اس سے نکاح کر سکتے ہو۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اچھا صاحب مانا! کہ وہ نکاح کے بعد آزاد ہو جائے گی اور محاورۂ عرب کی رو سے اس کو ملک یمین اس لئے کہیں گے کہ کسی زمانے میں وہ مملوکہ رہ چکی ہے، لیکن پھر کیا الجھاؤ سے آپ بچ جائیں گے؟ کہنے والا اب یوں کہے گا کہ یہ آیت جائز کر رہی ہے اُس لونڈی سے نکاح کرنے کو جو نکاح شدہ ہے، اگرچہ وہ آزاد

ہو چکی ہے لہٰذا اگر کسی نے اپنی لونڈی کا دوسرے سے نکاح کر دیا ہو، پھر بھی اس کا آقا اس سے نکاح کر سکتا ہے، اور ایک عورت کے دو شوہر ہوں گے۔ آپ فرمائیں گے وہ آزاد ہو چکی ہے اور المحصنات کی ایک فرد ہے، جواب ملے گا کہ اس سے کیا؟ اگرچہ وہ آزاد محصنہ ہے مگر "کسی زمانے میں ملک یمین" تو رہ چکی ہے؟ اور الا ماملکت ایمانکم کے ذریعہ اس کا المحصنات سے استثناء ہے۔

لہٰذا اس استثناء کے باعث منکوحہ ہونے کے باوجود دوسرے مرد سے اس کا نکاح جائز ہوگا، اور جب ایک آزاد محصنہ منکوحہ کے جو کسی زمانہ میں ملک یمین رہ چکی، دو شوہر ہونے کو خدا جائز کر رہا ہے، تو آپ ناجائز کرنے والے کون؟ آپ فرمائیں گے کہ مراد وہ ملک یمین ہے جو قید سے پہلے شوہردار تھی، جواب ملے گا اس مراد لینے پر نص صریح لائے۔ فرمائیے اس الجھاؤ کا آپ کیا جواب دینگے؟ اشتراک فراش تو خود ساختہ قیاس ہوگا۔ اور "یہاں قید سے پہلے شوہردار" مراد ہونے کی کسی قیمت پر آپ نص صریح پیش نہیں فرما سکتے اور بلا دلیل قطعی اور بغیر نص صریح یہ مراد (قید سے پہلے شوہردار) لیا جانا مسموع نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا تھا کہ اس صورت میں اشتراک فراش ہو جائیگا جبھی تو والمحصنات فرما کر شوہردار عورتیں حرام کی ہیں۔ لہٰذا اشتراک فراش فقہاء کی خود ساختہ قیاسی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ دراصل یہ تعبیر ہے، اس علت کی جس کی بنا پر قرآن نے شوہردار عورتیں حرام کی ہیں جس طرح خمر حرام ہوا، اور علت سکر کے اشتراک کے باعث آپ "تاڑی" کو بھی حرام کہتے ہیں درانحالیکہ تاڑی کی حرمت پر "دلیل قطعی اور نص صریح" پیش نہیں کی جا سکتی۔

شوہردار لونڈی اگرچہ آقا کی لونڈی ہے لیکن والمحصنات میں داخل ہونے کے سبب وہ حرام ہے مستثنیٰ وہ لونڈیاں ہیں جو قید سے پہلے شوہردار تھیں جیسے فقہاء کی زبان سے سنکر آپ نے فرمایا کہ بلا دلیل عموم لفظ سے گریز کرکے تخصیص کا قائل ہونا ہے لیکن جب آپ بعینہ یہی بات فرمائیں کہ یہاں وہ لونڈیاں مراد ہیں جو قید سے پہلے شوہردار تھیں، تو کسی کو یہ حق نہیں کہ آپ سے اس تخصیص کے قائل ہونے کی دلیل قطعی اور نص صریح کا مطالبہ کرے[۱]۔

نیز سورۂ مومنون اور معارج والی آیت میں الا علی ازواجھم

---

[۱] ہم سے ہر موقعہ پر نص صریح کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے، یہاں بھی کیا گیا، اور اپنے لئے دلالۃ النص اشارۃ النص اور اقتضاء النص سارے میدان رکھے گئے اور نفس نکاح کو قاطع رقیت بنانے اور "حساب دوستاں دردل" کرنے کے مواقع پر نص صریح تو نص صریح ہے، دور کا اشارۃ النص بھی ذکر فرمانے کی زحمت گوارا نہ کی گئی، بہت بہتر! فرمایئے؟ کہاں ہے بیوی کی رضاعی ماں سے نکاح کرنے کی حرمت پر نص صریح؟ احل ما وراء ذالکم عام ہے، اس کے پیشتر محرمات کی تفصیلی تحدید کردی گئی ہے امھات نساءکم یا امھاتکم اللاتی ارضعنکم پر ایک قیاس نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ:۔

"جو عموم اور جو اطلاق کہ بدلیل قطعی مذکور ہو اس کی تخصیص یا تقیید ہوسکتی ہے تو وہ بھی قطعی ہی دلیل سے"۔

(الدر الثمین صفحہ ۳۳)

اسلئے اگر اس کی حرمت ہوتی تو جس طرح حرمت علیکم.........

(باقی صفحہ ۱۲۱ پر)

کا حصر جہر حرمت لگا رہا ہے، کیونکہ وہ اپنے شوہر کی محصنہ و زوج ہے، اور اس حصر کا اقتضاء یہ ہے کہ صرف اس کا شوہر ہی اس سے حفاظت فروج نہ کرے گا،

(بقیہ صفحہ ۱۲۰) امھاتکم کے بعد امھاتکم الاتی ارضعنکم کہدیا گیا، اور اپنی رضاعی ماں کو اپنی ماں (امھاتکم) پر قیاس کے لئے نہ چھوڑا گیا، اسی طرح امھات نساءکم کے بعد امھات نساءکم الاتی ارضعنھن فرما دیا جاتا، بالخصوص جب یہ دیکھا جاتا ہو کہ بنات الاخ کے بعد بنات الاخت کو قیاس پر نہ چھوڑا، حالانکہ بھانجی کو بھتیجی پر باسانی قیاس کیا جاسکتا تھا۔

علیٰ ہذا القیاس کہاں ہے نص صریح بیوی کے ساتھ اس کی خالہ یا پھوپھی کو زیر نکاح رکھنے کی حرمت پر؟ اور ـــــ کہاں ہے نص صریح پوتی یا نانی، دادی سے نکاح کی حرمت پر؟ نص صریح دکھائی جائے، قیاس (خود ساختہ ہوگا، اسلئے) بالکل غیر مسموع ہوگا، حرمت علیکم امھاتکم میں خاص اپنی ہی ماں، بیٹیاں شامل ہوں گی، کیونکہ غیر ممکن ہے کہ امھات و بنات سے مائیں اور بیٹیاں مراد نہ ہوں، بلکہ دادی، نانی اور پوتیاں نواسیاں مراد ہوں، ہاں

جس کا باپ زندہ نہ ہو جس کا بھائی زندہ نہ ہو، اور طرز کلام عموم کا فائدہ دے رہا ہو تو دوسرے مراد ہوسکے" پس (الدر الثمین ص۲۳)

جس کی ماں زندہ نہ ہو جس کی بیٹی زندہ نہ ہو اور طرز کلام عموم کا فائدہ دے رہا ہو، تو ماں کی ماں اور بیٹی کی بیٹی مراد ہوسکتی ہے،

لیکن پھر بھی پوتی کے لئے کونسا لفظ ہوگا؟ بناتکم میں اولاً تو داخل نہ ہوں گی، اور بیٹیوں کے "زندہ نہ ہونے اور طرز کلام کی عمومیت" کی شکل میں داخل بھی کیا جائے تو نواسیاں آئیں گی، نہ کہ پوتی، لہذا بنات ابناءکم کی نص صریح دکھائی جائے جس طرح بنات الاخ کے باوجود بنات الاخت آیا، قیاس وپاس بالکل لغو سمجھا جائیگا

(باقی صفحہ ۱۲۲ پر)

اور وہ اب صرف اپنے شوہر ہی سے حفاظت فروج نہ کرے گی، اور اس حصر کے اقتضا نے بتلایا کہ الا علی ازواجھم کے بعد جو او ماملکت ایمانھم ہے وہ اسی شکل میں جبکہ مملوکہ کسی کی زوجیت میں نہ دیدی گئی ہو عموم لفظ سے گھبرا کر گریز نہ والمحصنات میں ہے اور نہ سورۂ مومنون د

(بقیہ صفحہ ۱۲۱) نیز کہاں ہے نص صریح حالتِ نفاس میں اجتناب پر؟ حیض پر قیاس باطل ذنا ممنوع۔

کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ اس صورت میں اشتراک فراش ہوجائے گا۔ عام اشتراک فراش اگر معیوب ہے تو محض عقلی، کوئی نص صریح اس کی حرمت کی پیش نہیں کی جاسکتی (الدر الثمین ۵۳)	کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ نفاس شلِ حیض ہے؟ بحالتِ نفاس احتراز اگر معیوب ہے تو محض طبعی وطبی (زیادہ سے زیادہ عقلی) کوئی نص صریح اس کی حرمت کی پیش نہیں کیجاسکتی۔

اور ہاں! کہاں ہے نص صریح عورتوں کے ایام مخصوصہ میں انھیں روزہ کی ممانعت پر؟ نماز یا حتیٰ یطھرن پر قیاس مطلقاً نہیں سنا جائے گا۔ (بالخصوص اسلئے بھی کہ ان ایام میں نمازیں ساقط ہوجاتی ہیں اور روزہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ بعد میں اسے ادا کرنا پڑتا ہے) کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ عورتوں کے ایام مخصوصہ کے دوران اوقات نماز کی طرح ماہ رمضان کے کچھ دن بھی آسکتے ہیں۔؟

سورۂ معارج میں، بلکہ دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ آقا کی ملک یمین ہونے کے بعد وہ شوہر دار نہ ہو۔[لہ]

موقع محل بھی تو آخر کوئی چیز ہے؟ آپ مجھ سے کہیں کہ میرے گھر آؤ اور میں جا کر آپ کے اس مکان پر آپ کا انتظار شروع کردوں، جسے آپنے زید کو رہنے کے لئے دیا ہے، اور متوقع رہوں آپ کی ملاقات کا، تو کیا میرا

لہ ورنہ اگر اسی قسم کے سطحی "الجھاؤ" پیش کئے جاتے رہے اور عموم لفظ کی تردید یوں ہی کی جاتی رہی اور فقہاء کو گھبراہٹ میں یوں ہی مبتلا کیا جاتا رہا، تو گستاخی و بے ادبی معاف، الجھاؤ کا ایک دام یوں بھی بچھایا جائے کہ:۔

سورۂ مومنون کی آیت ...... الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم سے معنی حقیقی مراد لینے کی شکل میں یہ "خطرناک خرابی" لازم آتی ہے کہ ماملکت ایمانھم لونڈیوں کے واسطے تو خاص نہیں، دیکھو والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم میں لونڈی غلام دونوں شامل ہیں اور جب ماملکت ایمانکم ـــ ایمانھم لونڈی غلام دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور عموم لفظ سے فائدہ اٹھا کر حقیقی معنی مراد لیتے ہو، تو کیا مرد اپنے غلام سے بھی حفاظت فروج نہ کریں گے؟ ـــ لہذا میرے پاس قرآن ہی سے اس کی دلیل ہوئی کہ یہاں (سورۂ مومنون میں) مجازی معنی مراد ہے، اور محض تعبیر و محاورہ کا فرق ہے اور بس، اور یہ کہ نکاح ہوتے ہی وہ آزاد محصنہ ہوجائے گی۔

ہمارے فقہاء کے پاس درحقیقت اسکا کوئی جواب نہ ہوگا اور پھر آپ فرماسکتے ہیں کہ یہ خرابی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ "لونڈی کو بلا نکاح فراش بنانے کا جواز انھوں نے فرض کرلیا، اور لونڈی کا کسی سے نکاح کردینے کے بعد بھی اسے لونڈی ہی رکھا،

(باقی صفحہ ۱۲۴ پر)

یہ فعل آپ کے ارشاد (میرے گھر آؤ) کے منشا کے مطابق ہوگا؟ اور جب آپ
دریافت کریں کہ تم میرے یہاں آئے کیوں نہیں تو کیا میرا یہ جواب معقول ہوگا؟
کہ میں تو پہونچا تھا آپ کے مکان پر، اس لئے کہ آپ اس مکان (جو زید کو
رہنے کے لئے دیا ہے) کے مالک اور اس کے بیع و ہبہ کے مختار ہیں، تو جس طرح
آپ اس مکان کے مالک و مختار رہونے کے باوجود، اس کا قفل نہیں کھول سکتے
اور میرا وہاں جانا درست نہیں، باوجودیکہ آپ عام لفظ (میرے گھر)

(بقیہ صفحہ ۱۲۳) ورنہ اس الجھاؤ میں کبھی نہ پڑتے۔" اور نہ ہمارے فقہاء یہ کہیں گے کہ
سورۂ مومنون کی آیت .... الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت
ایمانھم میں ما ملکت ایمانھم اگر حسب ارشاد عرف و محاورۂ عرب کی رعایت
سے مجازاً و اصطلاحاً استعمال ہوا ہو، یعنی تمھاری وہ ملک یمین جو کسی زمانہ میں
تمھاری مملوکہ تھیں، اور اب ان کا نکاح ہو جانے کے باعث آزاد محصنہ ہیں
اور آنجناب کے قول کے مطابق ہر وہ مملوکہ جو زیر نکاح آ جائے، آزاد محصنہ ہو
چاہے آقا خود "درحساب دوستاں دردل"، کرلے یا کسی اور سے اس نکاح کردے
تو وہ مملوکہ جس کا نکاح کسی اور سے کر دیا گیا ہو اور جو اس نکاح کے باعث آزاد
محصنہ ہو گئی ہو، چونکہ اس پر بھی یہ صادق آرہا ہے کہ کسی زمانہ میں تمھاری ملک یمین
تھی لہٰذا آقا اپنی اس مملوکہ سے بھی حفاظت فروج نہ کرے گا۔ جس کا نکاح اس نے کسی
اور سے کردیا ہو اور جو اب اس نکاح کے باعث آزاد محصنہ ہو لیکن زمانہ ماضی میں وہ اس آقا کی
مملوکہ تھی، کیونکہ یہاں اس کی کوئی دلیل قطعی الدلالۃ کوئی نص صریح اس تخصیص پر نہیں ہو کہ وہ
ملک یمین جو کسی زمانے میں تمھاری ملک یمین تھیں اور جن سے تم نے "حساب دوستاں دردل"
کرلیا ہو اور اب وہ آزاد محصنہ ہیں — لہٰذا جب قرآن "اشتراک فراش" کی اجازت دے رہا ہو
"تو آپ بلا دلیل قطعی اس کو حرام کرنے والے کون؟" "کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ اس صورت میں اشتراک
فراش ہو جائے گا۔" ————

ولے تھے، اسی طرح آقا اس مملوکہ کو فراش نہیں بنا سکتا جس کا نکاح
اپنے کسی سے کر دیا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا مالک ہے اور اس پر تملیک یہ صادق ہے
عقلاً و درایتاً اگر عورتوں کا شوہروں کے لئے استثناء و تخصیص کی
لے سکتے ہیں (والحافظین لفروجھم والحافظات[1]) میں تو فقہاء کی زبانی
کیوں پکڑ لی جاتی ہے۔ اگر وہ اس موقع پر نہ صرف عقلاً و درایتاً بلکہ باقتضاء النص
بھی استثناء و تخصیص کرتے ہیں؟
اس الجھاؤ کا جواب کتنا لطیف، کس قدر دقیق اور کتنا ٹھوس آج
سے صدیوں قبل دیا جا چکا ہے، ملاحظہ ہو:—

".......... الیس لا یحل فی الزوجۃ
ملک الیمین الاستمتاع فی احوال کحال الحیض و
حال العدۃ وفی الامۃ حال تزوجھا من الغیر؟
(جواب) .... الاستثناء من النفی لا یکون
اثباتاً کما فی لا صلوٰۃ الا بطھور فان ذالک لا
یقتضی حصول الصلوٰۃ بمجرد حصول الطھور"
(تفسیر کبیر)

بس، یہاں اپنی ملک یمین کو بلا نکاح فراش بنانے کی تردید کے الدلائل المتین
ملک الیمین میں مندرجہ سارے مباحث ختم ہو گئے اور — "ملکت یمین
کے معنی میں ایک الجھاؤ"، — ترکش کا آخری تیر تھا، اور شمشیر ہندی
کی آخری ضرب، مگر اتفاق سے یہ تلوار بھی دو دھاری ہی نکلی جس طرح

---

[1] صفحہ ۲۷ سطر ۳

اس کے پیشتر کی ساری ہی تلواریں، کہ ایک دھارسے حریف کا کام تمام کرے یا نہ کرے، مگر دوسری دھار سے خود شمشیر باز کو گھائل کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔
اب اسکے بعد جو مرحلہ رہ جاتا ہے وہ بلا نکاح جواز فراش کا ثبوت ہے! ——— لیکن اسپر گفتگو سے پیشتر بہتر ہوگا اگر الدر الثمین لملک الیمین کی کچھ شاعریوں اور بوالعجبیوں پر ایک سرسری اور طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

شاعری | صفحہ ۲۲ سطر ۱۳ سے ایک شاعری شروع ہوتی ہے:۔

"........ قرآن کی اس آیت[1] میں لھن کا لفظ نہیں[2] ہے۔ اس میں بھی ایک رمز ہے، وہ یہ کہ کتنے لوگ آئندہ ایسے ہوں گے جو منافقین اور شہوت پرست ملحدین کی من گھڑت روایتوں کی وجہ سے دھوکا کھا کر اور ان روایات موضوعہ کو حق سمجھ کر باوجود صدق ایمان اور خلوص نیت اتباع احکام کے اس بنا[3] پر خود دانستہ مجبور ہو جائیں گے اور ایک دور قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد ایسا آئے گا کہ یہ لونڈیان بے چاری ان روایات موضوعہ کے زور سے ہمیشہ کے لئے مجبور کر دی جائیں گی، اس لئے عام طور سے فرمایا کہ فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم یعنی مُکرِہ تو

---

[1] یعنی لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوٰۃ الدنیا ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم۔

[2] یعنی لھن غفور رحیم نہیں ہے۔

[3] یعنی، اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنالیں گے۔

قابل توجہ بھی قرار نہیں دیا گیا، زنا کے قریب جانا جب ممنوع ہے تو جو شخص کسی کو زنا پر مجبور کرے وہ کتنا بڑا مجرم ہو سکتا ہے؟ اور اس کو کیسی سخت سزا ہونی چاہئے، یہ نہ پوچھنے کی چیز تھی نہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت تھی۔ باقی رہیں وہ بیچاریاں جو مجبور کر دی گئیں تو بیشک یہ مستحق رحمت و مغفرت ہیں مگر وہ بھی تو مجبور و ں ہی ہیں جن کو جھوٹی روایات اور من گھڑت تفسیرات نے مغلوب الایمان و مجبور العمل کر دیا تو وہ محض نیک نیتی سے باوجود اپنی پختہ ایمانی کے اس بنا کے دانستہ مرتکب ہو گئے۔ اس لئے ضمناً انکی مغفرت کا پہلو بھی نکل آیا، اسی لئے لھن کا لفظ آیت میں مذکور نہ ہوا، اگر مذکور کر دیا جاتا تو یہ پہلو جو ایک ضمنی پہلو ہے نہیں نکل سکتا تھا۔"

من بعد اکراھھن کے بعد لھن کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے لھن لگا کر عبارت بنائیے، من بعد اکراھھن لھن غفور رحیم کیا یہ جملہ فصاحت و بلاغت کے معیار، ذوق ادبیت اور معانی و بیان کے اصول کی رو سے درست ہوگا؟ ——— لھن کی ضرورت ہوتی کلام اس کا مقتضی ہوتا اور حذف کر دیا جاتا تو خیر "رموز و نکات" میں شاعریاں کی جا سکتی تھیں لیکن، اگر "رموز" لطائف کے بغیر کام نہ چل رہا ہو، تو جواب آں غزل کے طور پر "نادانستہ مرتکبین زنا" کی مغفرت کا پہلو اگر کوئی یوں نکالنا شروع کر دے تو؟ کہ:۔

قرآن کی اس آیت میں لھن کا لفظ نہیں ہے اس میں ایک

رمز ہے، وہ یہ کہ کتنے لوگ آئندہ ایسے ہوں گے، جو من مانی
تفسیرات قرآن کی وجہ سے دھوکا کھاکر اور ان تفاسیر باطلہ
کو حق سمجھ کر باوجود صدق ایمان اور خلوص نیت اتباع
احکام کے اس بغا ـــــ یعنی غیر محدود ازواج آزاد محصنہ
زیر نکاح رکھنے ـــــ پر خود نادانستہ مجبور ہو جائیں گے
اور ایک دور قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد ایسا آئے گا کہ
یہ لونڈیاں بے چاری ازواج آزاد محصنہ میں شمار کئے
جانے کے باوجود اور ان سے نکاح کرنے کے باوصف یا تو
"حساب دوستاں در دل" کرکے ان کے زر مہر ہضم کرلئے
جائیں گے، یا دوسرے سے نکاح کر دینے کی شکل میں ان کی
ملکیت (زر مہر) غصب کرکے آقا کے حوالہ کر دی جائے گی
اُن سے نکاح کے لئے ان کی رضا و رغبت (جو شرط نکاح
ہے) کے گلے پر چھری پھیر دی جائے گی اور محض اطلاع دینا
کافی سمجھا جائے گا، اور یوں وہ بیچاریاں مجبور کر دی جائیں گی
یہ "حساب دوستاں در دل" ہونا ان کے زر مہر آقا کو دلوائے
جائیں بہر حال لتبتغوا عرض الحیوٰۃ الدنیا کے
آئینہ دار ہیں۔ پس ایک مرد کی غیر محدود، آزاد محصنہ بیویاں
کی ایک پوری پلٹن جو کسی زمانہ میں مملوکہ تھیں۔ یہ بیچاریاں
جو مجبور کر دی گئیں اور یا پانچویں چھٹی ساتویں وغیرہ
بیچاریاں جو ایسے مرد کے زیر عقد آئیں جس کی چار منکوحہ
آزاد محصنہ ہیں، اور یوں یہ بیچاریاں اس مرد کی فراش

بنکر بغا و زنا پر مجبور ہوئیں، تو بے شک یہ مستحق رحمت و مغفرت ہیں
مگر وہ بھی تو مجبوریوں ہی میں ہیں۔ جن کو ایسی لغو تفاسیر والوں
نے مغلوب الایمان و مجبور العمل کر دیا، تو وہ محض نیک نیتی سے
باوجود اپنی پختہ ایمانی کے اس بغا ـــــ چار سے زیادہ بیویاں
رکھنے ـــــ کے نادانستہ مرتکب ہو گئے اس لئے ضمناً انہی کی
مغفرت کا پہلو بھی نکل آیا، اسی لئے لھن کا لفظ آیت میں مذکور
نہ ہوا، اگر مذکور ہو جاتا تو یہ پہلو جو ایک ضمنی پہلو ہے، نہیں
نکل سکتا تھا۔

بدالعجبی | لونڈیوں کا نکاح کیا جا سکتا ہے اور وہ نکاح ہوتے ہی آزاد محصنہ
ہو جائیں گی مگر غلام کا؟ ـــــ تو ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

.... غلاموں کو لونڈیوں کے اعتبار سے دشواریاں
زیادہ ہیں، عورتیں فطری ضعف کی وجہ سے سہولت مزید کی
محتاج بھی تھیں، اس لئے دین فطرت کی رو سے ان کے لئے
خود بخود سہولتیں بہم پہونچ گئیں، یہ نکاح کے ساتھ ہی آزاد ہو جاتی
ہیں اور غلام جب تک آزاد نہ ہو، نکاح نہیں کر سکتا۔ صفحہ

ایسا کیوں ہے؟ ـــــ دلیل سنئے :۔
"جو زر فدیہ ادا کرکے خود اپنے گلے سے غلامی کی پھانس نہ چھڑا
سکا وہ بیوی کا زر مہر اور نان و نفقہ کیا ادا کرے گا، چاہے وہ
اپنی آقا عورت سے نکاح کرے چاہے کسی دوسری عورت
سے اسلئے کہ مردوں کو تو حکم ہے ابتغاء بما لہ کا، اگر اس کے
پاس مال ہے تو سب سے پہلے زر فدیہ ادا کرکے غلامی کی پھانس سے

اپنی گلو خلاصی کا ساماں کرے، اسکے بعد ایک نیا بار اپنی گردن پر لے ...... جو شخص خود دوسرے کے احصان میں ہے اپنی غلامی کی وجہ سے، وہ کسی غیر کو اپنی محصنہ کس طرح بنا سکتا ہے، اور جو مال کے ذریعہ اپنی گلو خلاصی نہیں کر سکتا، وہ استمتاع کا ابتغاء بالمال کیا کرے گا" صہ۳

اس پر یوں اعتراض نہ کیجئے کہ ــــ "جب تک غلام آزاد نہ ہو نکاح نہیں کر سکتا" ــــ آخر اس کے لئے نص صریح کون سی پیش کی گئی ہے؟ جبکہ لونڈیوں اور غلاموں دونوں کے بارے میں یکساں طور پر فانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم الآیہ موجود ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس آیت سے لونڈیوں کے نکاح پر تو دلیل قائم فرمائی جاتی ہے، لیکن غلاموں کے بارے میں ــــ "جبتک آزاد نہ ہو، نکاح نہیں کر سکتا" ــــ ارشاد ہوتا ہے، دوسروں سے تو ہر قدم پر بات بات پر نص صریح کا مطالبہ اور اپنے اتنے بڑے دعویٰ کی دلیل میں چند منطقیانہ سطریں؟ یا ــــ اس پر یوں لب کشائی کی جراءت نہ کیجئے کہ احصانِ غلامی اور شئے ہے اور احصانِ نکاح اور شئے، احصانِ نکاح کے لئے تو بیوی کی ضروریات کی کفالت اور اس کے حقوق کی ادائیگی چاہیئے اور "مالُ العبدِ مالُ المولیٰ" کو شیطانی نص، عہدِ جاہلیت کی ظالمانہ رسم، اور نہ جانے کیا کیا قرار دیتے ہوئے پورے زور و شور سے ثابت کیا گیا ہے کہ غلام بھی صاحب ثروت ہو سکتا ہے تو جب وہ صاحب مال ہو، بیوی کا زرِ مہر ادا کر سکتا ہے اور اس کی بنیادی ضروریات کی کفالت انجام دے سکتا ہو تو پھر اُسکے لئے کسی عورت کو اپنی محصنہ بنا کر رکھنے میں کون سی رکاوٹ ہے؟ ہاں کسی کا غلام ہونے کے وقت یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ:۔

جو شخص خود دوسرے کے احصان میں ہے اپنی غلامی کی وجہ سے

وہ کسی کو اپنے احصان میں غلام بنا کر کس طرح رکھ سکتا ہے۔

کسی کے احصانِ غلامی میں ہونے کے ساتھ کسی عورت کو اپنے احصانِ نکاح میں رکھنے کے درمیان تضاد کیا ہے؟

نیز اس جملہ کو کہ ــــ "جو مال کے ذریعہ اپنی گلو خلاصی نہیں کر سکتا، وہ استمتاع کا ابتغاء بالمال کیا کرے گا؟" ــــ

ــــ یوں نہ بدلئے کہ جو مال کے ذریعہ اپنی گلو خلاصی نہیں کر سکتا، وہ مالک مال و صاحبِ ثروت کہلانے کا کہاں تک مستحق ہے؟ ــــ بلکہ حرف تصویر کے مختلف رخ دیکھتے جائیے:۔

مال العبد مال المولیٰ پر چاند ماری ہو رہی ہے، مسلسلۂ دلائل ایک دلیل یوں بھی بیان فرمائی جا رہی ہے کہ:۔

.... پھر حکم ہے کہ وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم اور سورۂ نساء میں ہے.... واحل ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم الآیہ لہٰذا یہ صغریٰ و کبریٰ ملا کر نتیجہ یہ نکالا گیا کہ اس لئے نکاح کے لئے ابتغاء بمال ضروری ہے، غلام کے پاس تو مال ہو ہی نہیں سکتا ــــ بقول ہمارے علماء کے ــــ تو آخر وہ کس طرح ابتغاء بمال کر سکتا ہے....... اس لئے ضروری ہے کہ غلاموں کے پاس بھی مال ہو کہ اگر وہ نکاح کریں تو ابتغاء بمال کر سکیں[۱]"....

[۱] وہ تو نکاح کر سکتے ہی نہیں تا وقتیکہ پہلے آزاد نہ ہو جائیں؟ اس لئے ابتغاء بمال کی خاطر ان کے پاس مال کا ہونا، کیوں ضروری ہو؟

اس لئے لونڈی غلام سب مال رکھ سکتے ہیں، مال کے مالک ہو سکتے ہیں، اپنا گھر خود بنا سکتے ہیں، اپنے کھانے پینے کا خود انتظام رکھ سکتے ہیں، تجارت، صنعت اور حرفت وغیرہ کے ذریعہ دولت جمع کر سکتے ہیں، ان کو معاشی و اقتصادی ہر طرح کی پوری آزادی حاصل ہے، اسلام نے ان سے کسی معاشی و اخلاقی حق کو نہیں چھینا،، صفحہ ۱۰۸

"گھر بنا سکتے ہیں،، مگر بسا نہیں سکتے، معاشی اور اخلاقی ہر طرح کی پوری پوری آزادی حاصل ہے مگر نکاح نہیں کر سکتے، دنیا بھر کے کاموں میں غلامی کی وجہ سے دوسرے کے احصان میں ہونا، ہرگز کوئی رکاوٹ نہیں مگر بیوی کے زرمہر کی ادائگی اور اس کی کفالت میں صاحب مال غلام کی اسیری سد مآرب ہی، کہ —— "جب تک آزاد نہ ہو نکاح نہیں کر سکتا،، ——

پھر لطف یہ کہ صفحہ ۹۰ پر جہاں لا یقدر علیٰ شیٔ کی تفسیر اور اس کے مصادیق بیان فرمائے جا رہے ہیں وہاں ارشاد فرمایا جا رہا ہی کہ:۔

"اس کا ترجمہ ہرگز یہ نہیں کہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا یعنی آقا کے گھر سے باہر نہیں جا سکتا، اپنی برادری سے جاکر مل نہیں سکتا....... اگر وہ خود کمانا چاہے تو آقا کی اجازت کے بغیر مزدوری نہیں کر سکتا،، ——

اس کا اپنے اختیار سے کچھ نہ کر سکنا، آقا کے گھر سے اس کی بلا اجازت باہر نہ جا سکنا، اور آقا کے اذن کے بغیر مزدوری نہ کر سکنا، اس کی اقتصادی و معاشی ہر طرح کی پوری پوری آزادی میں مطلقاً مخل نہیں اور بالکل صادق ہے کہ اسلام نے ان سے

کسی معاشی و اخلاقی حق کو نہیں چھینا ہے، صرف یہ کہ آقا کی اجازت و اذن پر سارے معاملات موقوف ہیں اور یہ سلب آزادی (اقتصادی و معاشی آزادی) تو ہے نہیں، اس کی پوری پوری آزادی کا سلب تو جب ہوتا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا، اس کے پیر توڑ دیے جاتے —— ایسے اجتماع ضدین پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔

اور پھر خدارا انصاف کیجئے اور ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ —— "غلام جب تک آزاد نہ ہو جائے نکاح نہیں کر سکتا،، —— ابتغاء بمال کا سوال نکاح کے وقت آئے گا، اور نکاح کا مرحلہ اس کی آزادی کے بعد آئے گا تو پھر ابتغاء بمالہ کے ذریعہ مال العبد مال المولیٰ کی تردید کہاں تک اپنے اندر معقولیت رکھتی ہے؟ اور یہ برہان کیونکر قائم ہو گی؟

ساتھ ہی اس بوالعجبی کے ان دو ضمنی لطائف کی بھی سیر فرما لیجئے:۔

ا —— "مالکہ اگر اپنے غلام سے خود نکاح کرنا چاہے تو وہ کر سکتی ہے مگر پہلے اس کو آزاد کر دے، اس کے بعد نکاح کرے، چاہے اس کے بعد زرمہر بھی معاف کر دے نان و نفقہ بھی معاف کر دے، یہ سب اسکے اختیار میں ہے،، —— (صفحہ ۳) دلیل ملاحظہ ہو۔

—— "عورت کا پہلے سے زر فدیہ تو اس غلام کے ذمہ باقی ہی ہے وہ تو ابھی تک ادا ہی نہ ہو سکا ہے، اب پھر زرمہر بھی اس غلام کے ذمہ عائد ہو، پھر نان و نفقہ بھی عائد ہو، یہ بالکل خلاف عقل ہے،، —— جی ہاں، کیوں نہیں؟ اسکو آزاد کرنے کے بعد مالکہ اگر اس سے نکاح کرے تب تو عقلاً یہ احتمال نکلتا ہے کہ اسکے اختیار میں سب کچھ ہے، وہ زرمہر بھی معاف کر سکتی ہے، نان و نفقہ بھی معاف کر سکتی ہے لیکن اگر اسے آزاد کرنے سے پہلے وہ اس سے نکاح کرنا چاہے تو نہ زرمہر کا معاف کرنا

اس کے اختیار میں ہو، اور نہ نان و نفقہ کا، پھر وہ غلام جس کے ذمہ زر فدیہ باقی ہے اور وہ مالکِ مال و صاحبِ ثروت ہے، اگرچہ وہ زرِ مہر ادا کر سکتا ہے، اور نان و نفقہ کا بار اٹھا سکتا ہے، مگر خلاف عقل ہے کہ اس کے ذمہ یہ چیزیں عائد ہوں۔ اور پھر یہ صورت اسی وقت ہے جبکہ مالکہ اپنے غلام سے نکاح کرنا چاہے اور آقا اپنی مملوکہ سے نکاح کرنا چاہے تو کوئی ضروری کہ پہلے اس کو آزاد کردے اس کے بعد اس سے نکاح کرے۔

۲۔ ـــــــ "آقا اگر اپنے غلام کا کسی سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے اس غلام کو آزاد کردے تاکہ وہ اپنے آقا کے احسان اسیری سے آزاد ہوکر اپنی منکوحہ کو اپنی محصنہ بنا سکے، اسی لئے جو وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم فرمایا ہے، اس میں درحقیقت ان کی آزادی اور ان کے فک رقبہ کی صورت بھی مضمر ہے" ـــــ صـ ۳۰ و ۳۱

لیکن آقا اپنی مملوکہ کا کسی سے نکاح کرے تو پہلے اس کو آزاد کرنا کوئی ضروری نہیں، نکاح کے بعد وہ آزاد ہوگی، اگرچہ آیت مذکورہ میں عبادکم کے ساتھ امائکم بھی ہے۔

دوسری بوالعجبی اور ناقابل فہم رمز | والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (سورۂ مومنون) کو مردوں کے لئے خاص کیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"فمن ابتغیٰ وراء ذالک .... بتا رہا ہے کہ مخاطبت یہاں مردوں ہی کی طرف ہے۔ البتہ اس آیت کے جس جس حصہ کے مضمون میں جہاں ضمناً عورتیں بھی مراد لی جا سکتی ہیں وہاں عورتیں بھی داخل سمجھی جائیں، تو کوئی مضائقہ نہیں، مثلاً ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم تک میں عورتیں بھی شامل ہوسکتی ہیں۔ صـ ۲۶ و ۲۷

اب کون پوچھے کہ یہاں جب ما ملکت ایمانھم سے شرعاً و حقیقتاً ازواج ہی مراد ہیں محض تعبیر کا فرق ہے۔ گویا شرع کی خوردبین سے ما ملکت ایمانھم کی جگہ ازواجھم ہی نظر آ رہا ہے، جو ظاہری آنکھوں کے سامنے محاورۂ عرب اور مروجہ زبان و اصطلاح کا لباس پہن کر ما ملکت ایمانھم کے روپ میں جلوہ گر ہے تو پھر الا علیٰ ازواجھم ہی تک عورتیں کیوں داخل سمجھی جائیں تو مضائقہ نہیں؟ آگے کیوں نہیں؟ دوسرا ٹکڑا (ما ملکت ایمانھم) بھی شرعاً و حقیقتاً وہی ازواجھم ہی تو ہے، تو پھر جس جس حصہ کے مضمون میں جہاں جہاں ضمناً عورتیں" کہنے اور ازواجھم ہی تک اس کی انتہا بتانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کس چیز نے ایسا کہنے پر مجبور کیا؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

تیسری بوالعجبی | صـ ۳۱ سطر ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"میں اپنے موضوع میں صرف قرآنی آیات صریحہ اور انہیں پر مبنی قیاسات قطعیہ کے ذریعہ بحث کرنے کا عزم کر چکا ہوں"

جی ہاں بے چارے فقہاء و علماء کو ـــــــ جو "شیطانی تسویلات" میں مبتلا رہے اور جن پر "شیطانی وحی" نازل ہوتی رہی ـــــــ آج تک یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ اپنے قیاسات کو قطعیہ فرمائیں۔ بلکہ مُظہرِ حکم اور مُثبتِ حکم کی تفریق اور یہ الفاظ ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ مگر آج ایک ایسی شخصیت نظر آئی جس کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ جو باتیں آیات سے مستنبط کرے اور اس کے وہ قیاسات جو آیاتِ قرآنیہ پر مبنی ہوں، وہ بھی اسی طرح قطعی ہوتے ہیں، جس طرح آیاتِ

قرآنیہ۔ محو حیرت ہوں کہ یہ دنیا ....

جو تھی اور نہایت دلچسپ بوالعجبی | ایک شاندار اور نہایت زور کا دعویٰ اور عنوان ملاحظہ ہو:۔

"ملک یمین نکاح کے بعد آزاد ہو جائے گی" ص۲۸

مگر دلیل؟ تو اس کی بے تکی کا حال نہ پوچھئے، اور عنوان بالا کو کہیں تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھائیے بس صرف سن لیجئے:۔

"قرآن میں حکم ہے کہ وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم و امائکم الآیہ دیکھئے یہاں ماملکت ایمانکم کا لفظ نہیں فرمایا گیا، اس لئے کہ ملک یمین کا لفظ تو عام ہے، جن کا نکاح ہو گیا اور اپنا زر فدیہ ادا کر چکیں وہ بھی مجازاً ملک یمین کہی جاتی ہیں، اس لئے یہاں عبادکم و امائکم ارشاد ہوا، تاکہ غیر نکاح شدہ ہی نامراد ہوں" ص۲۵

کسے باادب یہ عرض کرنے کی جرأت ہو کہ آیت مذکورہ کے بعد النکاح آزاد ہو جانے پر دلیل کس طرح بن گئی؟ کیونکہ اس میں تو محض نکاح کا حکم ہے، نکاح کے بعد آزاد ہو جانے کی دلیل کیا ہے؟ اور پھر بالفرض اگر یہ آیت بعد النکاح آزاد ہو جانے پر دلیل بنائی بھی جائے، تو عنوان یوں ہونا چاہیے تھا کہ:۔

لونڈی اور غلام نکاح کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔

نہ کہ صرف مملوکہ نکاح کے بعد "آزاد ہو جائے گی" ۔۔۔ کیونکہ آیت میں لونڈی اور غلام دونوں کے نکاح کا حکم ہے اور کسی کے لئے بھی ملک یمین کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ایک کے لئے عبادکم اور دوسرے کے لئے امائکم ہے۔ مگر ۔۔۔ "غلام (تو) جب تک آزاد نہ ہو نکاح کر ہی نہیں سکتا" ۔۔۔ ؟؟

نیز کسے اس گزارش کی ہمت ہو کہ اثباتِ دعویٰ کا یہ وطیرہ نہایت خطرناک ہے، ہر شخص اپنے دعویٰ پر مستقل دلیل پیش کئے بغیر ایک لفظ کے عدمُ الذکر کو دلیل بنالے گا، مثلاً کسی شخص کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی جو یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ نبی کا لفظ عام ہے، منجانب اللہ مبعوث ہو اور انسانوں کے لئے واجب الاطاعت ہو وہ بھی نبی کہا جاتا ہو، اور جو منجانب اللہ مبعوث ہو مگر اس کی اطاعت انسانوں پر واجب نہ ہو، وہ بھی نبی کہا جاتا ہے اور دلیل میں وہ یہ کہہ کر قرآن میں ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول، دیکھئے، یہاں النبی نہیں فرمایا گیا کیونکہ نبی تو عام ہے بلکہ الرسول کہا گیا تاکہ وہی ہستی مراد ہو جو منجانب اللہ مبعوث ہو اور واجب الاطاعت ہو۔

اور پھر صیاد کے آپ اپنے دام میں آ جانے کے اس منظر کو دیکھنے کی کن آنکھوں میں تاب ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء .... او ما ملکت ایمانکم میں کون سی ملک یمین مراد ہیں "غیر نکاح شدہ" یا مجازی ملک یمین؟ (یعنی وہ جن کا نکاح ہو گیا اور آزاد ہو چکی ہیں) خود ہی تو یہ آیت اپنے اس عنوان کی دلیل میں بڑے زور و شور سے ذکر فرمائی ہے کہ ۔۔۔ "ملک یمین سے کا حکم" (صفحہ۲۳) اور ما ملکت ایمانکم کو فانکحوا سے متعلق گردانا ہے، اور یہاں اومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات فمن ما ملکت ایمانکم ..... فانکحوھن الآیہ میں مملوکہ سے نکاح کے وقت ما ملکت ایمانکم کیوں لایا گیا؟ ان مواقع پر لفظ ملک یمین کی "عمومیت" کیوں نہ آڑے آئی؟ ان جگہوں پر بھی تو "غیر نکاح شدہ ملک یمین" ہی مراد ہیں؟

یہ ہیں رسالۂ الدر الثمین لملک الیمین کی دو چار موٹی موٹی شاعریاں اور بوقلمونیاں۔ خیر، ان معدودے چند لطائف و غرائب کا ذکر تو از قبیل۔

مقطع میں آ پڑی تھی سخن گسترانہ بات

تھا۔ اب مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اپنی لونڈیوں کو بلا نکاح فراش بنانے کی اجازت کے دلائل کے سلسلہ میں
چاہئے تو یہ تھا کہ اتنی تحریر کے بعد لکھ دیا جاتا کہ جب ممانعت کے سارے دلائل منقوض
ہو گئے تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا، کیونکہ اس سلسلہ کی پوری بحث اول تا آخر جو رسالۂ
الدر الثمین میں کی گئی ہے، اسی کی تعلیم دیتی ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ دلائل کے صرف
نقض سے فریق کا دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا، مدعی چاہے کوئی ہو، اس سے دلیل کا تو
مطالبہ کیا ہی جائے گا اور جب یہ مسلّم ہو کہ دوسرے کے دلائل کو صرف منقوض کر دینے
سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، تا وقتیکہ اپنے دعویٰ کی ٹھوس دلیل نہ بیان کی جائے
تو کیا وجہ ہے کہ رسالۂ الدر الثمین میں مندرجہ دعاوی پر دلائل بیّنہ اور براہین
غیر منقوضہ لائے بغیر یہ وطیرہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس قول پر یہ خرابی لازم آتی ہو لہٰذا
ما نو ہماری بات؟ دنیا جانتی ہو کہ اثباتِ مدّعیٰ کا یہ طریقہ کتنا پوچ ہے، مانا کہ
ہمارے قول پر یہ شبہ وارد کیا جا سکتا ہے، مگر آپ کی بات پر کون سی حجت ہو؟ لیکن
بجائے اس کے کہ آپ اپنے دعویٰ کی حجت ذکر فرمائیں اسلوب یہ اختیار فرمایا ہے کہ
اگر ایسا ہے تو یہ خرابی لازم آتی ہے لہٰذا میں جو کہہ رہا ہوں وہ تسلیم کرو مثلاً یہ کہ اگر
ازواج کے ساتھ ملک یمین کا ذکر بلا نکاح محل استمتاع پر دال ہو تو یا ایہا النبی
انا احللنا الآیۃ میں یہ لازم آتا ہو لہٰذا مانو کہ ملک یمین (سورۂ مومنون والی آیت میں)
مجازی معنی میں مستعمل ہوا ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ چاہئے تھا کہ آپ ملک یمین کے
مجازی معنی لینے کا قرینہ بتاتے، مروجہ اور عرف عام اور اصطلاح کے ثبوت میں استعمالات
عرب سے شہادتیں پیش کرتے، نہ کہ "نکاحی اور بیاہی" کے استعمالات دلیل میں ذکر
کرتے، اسی طرح زر مہر کے محسوب کر لینے پر کوئی نص بتاتے، "لا تعولوا" محسوب کر لینے
کے معنی میں لغۃً مستعمل نہیں، جو نص بن سکے، زیادہ سے زیادہ عدم شفقت کا معنی

آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن اس عدم شفقت کو محسوب میں منحصر کرنے کی کونسی نص ہو؟
اور مملوکہ کا دوسرے سے نکاح کر دینے کی صورت میں اس کا زر مہر آقا کو دلوانے
کے لئے تو "لا تعولوا" والا سہارا بھی باقی نہیں رہتا، اس کی دلیل میں کسی نص کا
حوالہ دیتے۔ علیٰ ہذا القیاس نکاح کو بہر حال لازمِ آزادی بنا دینے کے ثبوت میں
ایک دلیل بھی نہیں دی گئی، یا تو نقض سے کام چلایا گیا ہو، یا مُصادرہ علی المطلوب
کیا گیا ہے۔

غرض میں نے آپ کی ذکر کردہ تمام نقضوں اور اعتراضات کے جوابات
دیدیے، اور آپ کے ہر اعتراض کے جواب میں بیک وقت وہ سارے اسلوب
اختیار کئے ہیں جو بہ سلسلۂ جواب اختیار کیا جاتا ہے، یعنی آپ کے ارشاد پر نقض
بھی وارد کی، معارضہ بھی کیا، الزامی جواب بھی دیا اور تحقیقی جواب بھی، حالانکہ
اتنے کی ضرورت نہ تھی، خصوصاً آپ نے ———— "ملک یمین کو بلا نکاح
فراش بنانے کی سب سے بڑی مگر واحد دلیل" (صفحہ ۲۶) ———— کے عنوان سے
اس واحد دلیل پر جو اعتراض فرمایا تھا، اس کے نہایت شرح و بسط سے ایک
نہیں بلکہ متعدد جوابات دیدیے، اور آپ کے اعتراض کا قرآنی آیات سے بطلان
کیا، ادب اور معانی و بیان کے اصول سے رد کیا، لہٰذا وہ "واحد دلیل" (جو دراصل
محض دلیل نہیں ہو بلکہ قرآن کی نص صریح ہے) علیٰ حالہ قائم ہے اور بغیر کسی دانع
دھبہ کے، لہٰذا اس غیر منقوض "واحد دلیل" کی رو سے بلا نکاح مملوکہ کو فراش
بنانے کا دعویٰ ثابت شدہ ہی ہو، ساتھ ہی مختصر طور پر بعض دیگر ادلّہ بھی ذکر
کئے دیتا ہوں، واللّٰہ ولیّ التوفیق۔

سورۂ احزاب میں ہے کہ لا یحلّ لک النساء من بعد ولا ان تبدل
بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھنّ الا ما ملکت یمینک۔ اس آیت میں

جو استثنائی صورت ہے اسکے اندر مندرجۂ ذیل شکلیں ہی پیدا ہو سکتی ہیں:-

	مستثنیٰ منہ	مستثنیٰ	استثناء
۱۔	ازواج	ماملکت یمینک	متصل
۲۔	"	"	منقطع
۳۔	النساء (مراد صرف حرائر)	"	متصل
۴۔	" (")	"	منقطع
۵۔	" (مراد عام عورتیں حرائر ہوں یا اماء)	"	متصل

ہر ایک کی فرداً فرداً تنقیح:-

قبل اس کے کہ ہر ہر شق کی تنقیح کی جائے یہ چیز پیش نظر رہے کہ لا یحل لک النساء من بعد الآیہ میں لا یحل کا مطلب آپ کے نزدیک یہ ہوگا کہ لا ینکح النساء من بعد الخ یعنی اب کسی عورت سے آپؐ نکاح نہیں فرما سکتے، .... مگر اپنی ملک یمین سے۔

شق ۱:- ابھی تو ازواج میں مملوکہ داخل ہی نہیں، بعد النکاح (کیونکہ تبدل بعد النکاح ہی ہوگا) اس پر حسب ارشاد ازواج آزاد محصنہ کا اطلاق ہوگا، اور استثنائے متصل میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا فرد قبل ہی سے ہوتا ہے۔

شق ۲:- مستثنیٰ باستثنائے منقطع کبھی، کسی حال میں اور کسی وقت مستثنیٰ منہ کا فرد نہیں بن سکتا۔ اور بعد النکاح حسب ارشاد وہ مملوکیا ازواج آزاد محصنہ میں سے شمار ہونے لگے گی، اور شرعاً و حقیقتہً وہ زوج حرہ ہی ہوگی۔

شق ۳:- ابھی وہ مملوکہ حرہ تو ہے نہیں، بعد النکاح حسب ارشاد آزاد محصنہ ہوگی اور استثنائے متصل کی وجہ سے اس کو فی الحال حرائر کا ایک فرد ہونا چاہئے۔

شق ۴:- بعد النکاح حسب ارشاد وہ مملوکہ آزاد محصنہ ہو جائے گی اور پھر حرائر کی

ایک فرد، اور مستثنیٰ باستثنائے منقطع کسی وقت اور کسی زمانہ میں مستثنیٰ منہ کے اندر شامل نہیں ہوتا۔

شق ۵:- سوال یہ ہو کہ اس صورت میں مستثنیٰ (ماملکت یمینک) مستثنیٰ منہ (النساء) کی کسی صنف میں داخل ہوگا؟ کیونکہ نساء کے دو اصناف ہیں۔

(الف) حرائر (ب) اماء

اور استثنائے متصل کا تقاضا یہ ہو کہ مستثنیٰ منہ، اور مستثنیٰ کے درمیان جنس و نوع یا نوع و فرد کا سا تعلق اگر ہو تو قبل ہی سے ہو، یعنی مستثنیٰ اجرائے حکم کے پیشتر اور بعد دونوں حالتوں میں یا تو ایک نوع ہوتا ہے جنس مستثنیٰ منہ کی، یا ایک فرد ہوتا ہو نوع مستثنیٰ منہ کا۔ پس اگر حرائر میں مملوکہ داخل مانا جائے تو ظاہر ہے کہ بعد النکاح حسب ارشاد وہ آزاد محصنہ ہوگی، اور ہونا چاہئے اسے ابھی حرائر کی ایک فرد۔ اور اگر نساء کی دوسری صنف (اماء) میں داخل مانا جائے تو بعد النکاح حسب ارشاد وہ آزاد محصنہ ہو جائے گی، اور مستثنیٰ باستثنائے متصل مستثنیٰ منہ کا فرد جس طرح استثناء کے قبل ہوتا ہے، اسی طرح استثناء کے بعد[1] بھی ہوتا ہے، استثناء صرف حکم اور وقوعِ فعل کے لحاظ سے ہوتا ہے، نہ کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے احاطہ ہی سے خارج ہو جاتا ہے، اور اس شکل میں بعد النکاح وہ مملوکہ نساء کی اس صنف (اماء) کا فرد باقی نہ رہی گی بلکہ (حسب ارشاد) وہ آزاد محصنہ ہو جائے گی حالانکہ استثنائے متصل کی

---

[1] مثلاً جاء فی القوم الا زیداً میں زید بہر حال قوم کا فرد رہتا ہے، ایسا نہیں ہو کہ قوم کی مجیئت کے پیشتر تو وہ قوم کا فرد ہو، اور مجیئت کے بعد وہ قوم کا فرد نہ رہے۔

صورت میں ایسا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ قبل النکاح وہ مملوکہ نساء کی جس صنف میں سے ہو، بعد النکاح بھی اس کو اسی صنف میں رہنا چاہئے۔[1]

پانچویں شق آپ نے اختیار فرمائی ہے، جبکہ میں نے یکم نومبر کو بذریعۂ عریضہ اس آیت کے بارے میں آپ سے دریافت کیا تھا کہ۔

لا یحل لک النساء من بعد الآیہ میں النساء سے کیا مراد ہے؟

حرّہ یا عام عورتیں حرّہ ہوں یا مملوکہ؟

تو جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"النساء عام ہے، جبھی تو الا ما ملکت یمینک کا استثناء صحیح ہوگا البتہ ممنوع عنہا عورتیں آزاد محصنہ ہی ہیں اور یہ مفہوم استثناء کے بعد نکلا۔"

یہ (پانچویں) شق مذکورہ تنقیح کے علاوہ مندرجۂ ذیل وجوہ سے بھی رسالۂ الدر الثمین کے اسالیبِ دلائل اختیار کرتے ہوئے، مجروح ہو رہی ہے۔

نساء سے یہاں عام عورتیں (حرّہ ہوں یا مملوکہ) مراد لینا اولاً تو قرآن کی متعارف عادتِ جاریہ کے خلاف ہے کیونکہ بموقع نکاح جہاں النساء کا لفظ استعمال

---

[1] دیکھئے، جاءنی القوم الا زیداً میں زید قوم کی دو اصناف یعنی رجال و نساء میں سے جس ایک صنف (رجال) کا فرد ہو، وہ قوم کی مجیئت کے پہلے بھی ہے، اور قوم کی مجیئت کے بعد اس مجیئت سے الگ رہ جانے پر بھی ہے، ایسا نہیں ہے کہ قوم جب تک آئی نہ تھی، اس وقت تک تو زید رجال کا فرد ہو، اور قوم کے آنے کے بعد وہ نساء کا فرد بن گیا ہو، مگر یہاں ہوگا یہ کہ مملوکہ نکاح سے پہلے تو اماء میں سے ہوگی، اور نکاح کے بعد (حسب ارشاد) حرائر میں سے بن جائے گی۔

کیا گیا ہے، وہاں حرائر مراد ہیں (فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ) لہٰذا الآیات تفسر بعضہا بعضاً کی رو سے یہاں بھی النساء سے صرف آزاد عورتیں مراد لی جانی چاہئیں۔

دوسرے یہ کہ ما ملکت یمینک کا استثناء النساء سے ہو اور النساء مستثنیٰ منہ بنے تو:۔

ولا ان تبدل بہن من ازواج ولو اعجبک حسنہن کے بعد اس مستثنیٰ (ما ملکت یمینک) کو پھاند کر آنے کی کیا وجہ ہوئی؟ لا یحل لک النساء من بعد الا ما ملکت یمینک ولا ان تبدل بہن من ازواج الآیہ کہا جاتا تو عبارت میں کون سی خرابی پیدا ہو جاتی۔ بالخصوص جہاں شبہ ہو کہ النساء سے استثناء کے بجائے ازواج سے استثناء سمجھ لیا جائے گا۔

ذٰلک ادنیٰ ان لا تعولوا کا تعلق اگر فواحدۃ کے ساتھ ہے تو اس کو پھاند کر معطوف (او ما ملکت ایمانکم) کے بعد آنے کی کیا وجہ ہوئی، فانکحوا ما طاب لکم...... فواحدۃ ذٰلک ان لا تعولوا کہا جاتا تو عبارت میں کون سی خرابی پیدا ہو جاتی، بالخصوص جہاں شبہ ہو کہ بجائے معطوف علیہ کے معطوف کے ساتھ تعلق سمجھ لیا جائے گا۔ ص۲۴

ممکن ہے یہ جواب دیا جائے کہ ولا ان تبدل بہن من ازواج معطوف ہے اس لئے اسے معطوف علیہ کے قریب رہنا چاہئے تو جواب دینے والا یہ جواب دے گا کہ اولاً تو ـــــ "واو عطف بقاعدۂ وصل و فصل" ـــــ موجود ہی ہے، یہ واو عطف بتا دیتا کہ "اس کا تعلق اوپر سے ہے" اور از روئے قواعد یہ نہایت قبیح صورت ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے کہ اتنا لمبا چوڑا جملہ متخلل ہو جائے؟ نیز معطوف اور معطوف علیہ کے

درمیان فصل اتنا قبیح[۱] نہیں جتنا مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان فاصلۂ اجنبی۔

اور ثانیاً یہ کہ جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا، اور ایسی صورت میں پھاند کر آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں، یعنی لا یحل لک النساء من بعد الا ما ملکت یمینک کہا جاتا اور پھر اس جملہ کا معطوف یہ جملہ کہ ولا ان تبدل بھن من ازواج الخ لایا جاتا تو کیا قباحت تھی؟

چونکہ اس کا استثناء النساء سے ہے، اسلئے ولا ان تبدل بھن من ازواج بہر حال عام رہے گا اور اس میں کسی طرح کا استثناء نہ ہوگا، تبدل کی شکل مطلقاً ممنوع ہوگی، یعنی یہ جائز نہ ہوگا کہ اپنی ازواج میں سے کسی کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ خالی کرکے اس کے قائم مقام کسی کو حرہ ہو، یا مملوکہ زوجیت میں لے لیں۔

اب غور طلب یہ ہے کہ بغیر تبدل کے نکاح کی ممانعت کے لئے کیا صرف اتنا کہدینا کافی نہ تھا کہ اب کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کر سکتے اور بموقع نکاح آزاد عورت کے لئے نساء کا لفظ استعمال ہوا ہی ہے، لہٰذا استثناء کی ضرورت ہی نہ تھی مقصد بلا استثناء حاصل ہو جاتا ہے کہ ،،ممنوع عنہا آزاد محصنہ ہیں،،

نکاحِ جدید کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔

۱۔ کسی عورت سے نکاح ہو، بایں طور کہ کسی زوج کو چھوڑا نہ جائے۔ سب موجود رہیں۔

۲۔ کسی عورت سے نکاح ہو۔ بایں طور کہ اس کے لئے ایک جگہ خالی کی جائے۔

مقصود مطلقاً نکاحِ جدید سے (حسب ارشاد) روکنا تھا، اس لئے حرف نفی (لا)

---

[۱] اسی لئے تو واٰتوا النساء صدقاتھن نحلۃ اور ما ملکت ایمانکم سے لا تعولوا تک کا فاصلہ جائز ہوا۔

مکرر لا کر دونوں صورتوں کی ممانعت کر دی کہ نہ یہ کر سکتے ہو اور نہ وہ ——

لیکن اس حکم میں یہ استثنائی شکل مد نظر تھی، آپ کے نزدیک صورت اولیٰ میں یہ استثناء مقصود تھا کہ اپنی ملک یمین سے (بلا تبدل) نکاح کر سکتے ہو —— چنانچہ الّا ما ملکت یمینک کہا اور میرے نزدیک استثناء یہ مد نظر تھی کہ اپنی مملوکہ کو بلا نکاح فراش بنا سکتے ہو، اس لئے الّا ما ملکت یمینک کہا۔

کس کا خیال صحیح ہے؟ اس کے لئے میزان حقیقی قرآنی لفظ ہی ہو، غور فرمائیے۔ ارشاد ہوا ہو کہ لا یحل۔ یعنی کوئی عورت حلال نہیں ہے، نہ ازواج کی تبدیلی کرکے اور نہ بلا تبدل۔

آپ کے نزدیک لا یحل لک النساء من بعد کا مطلب یہ ہے کہ اب تم کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے نہ کسی زوجہ کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر اور نہ بلا تبدل، مگر ہاں، اپنی ملک یمین سے نکاح کر سکتے ہو، تو اگر نکاح کے لئے آپ کی اختیار کردہ استثناء مطلوب ہو تو لا یحل عام لفظ کیوں بولا گیا؟ کیا حلال اور نکاح مرادف الفاظ ہیں؟ کیا یہ بھی مفاتح کے قبیل سے ہوگا کہ سب کے سب عربیت سے نابلد ہوں گے اور لا یحل کا معنی ہوگا لا تنکح —— اگر ایسا نہیں ہے کہ حلال اور نکاح مرادف الفاظ ہوں، اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو لا تنکح النساء من بعد کہنا چاہئے تھا، اور یہی کہنا مفید مقصد ہوتا، آنجناب کے طور سے کہا جاتا تو —— ،،عبارت میں کونسی خرابی پیدا ہو جاتی،، —— بلکہ مصرح اور واضح ہوتی اور معنی متعین ہو جاتا۔ کیونکہ جس طرح:۔

،،عام ممانعت کی ضرورت کے وقت خاص ممانعت بالکل مخالف بلاغت ہے، بلکہ مخالف حکمت ہے،، (الدر الثمین صفحہ ۲۱ سطر ۱۹)

درمیان فصل اتنا قبیح[1] نہیں جتنا مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان فاصلۂ اجنبی۔

اور ثانیاً یہ کہ جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا، اور ایسی صورت میں پھاند کر آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں، یعنی لا یحل لک النساء من بعد الا ما ملکت یمینک کہا جاتا اور پھر اس جملہ کا معطوف یہ جملہ کہ ولا ان تبدل بھن من ازواج لایا جاتا تو کیا قباحت تھی؟

چونکہ اس کا استثنا، النساء سے ہے، اسلئے ولا ان تبدل بھن من ازواج بہرحال عام رہے گا اور اس میں کسی طرح کا استثناء نہ ہوگا، تبدل کی شکل مطلقاً ممنوع ہوگی، یعنی یہ جائز نہ ہوگا کہ اپنی ازواج میں سے کسی کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ خالی کرکے اس کے قائم مقام کسی کو حرہ ہو، یا مملوکہ زوجیت میں لے لیں۔

اب غور طلب یہ ہے کہ بغیر تبدل کے نکاح کی ممانعت کے لئے کیا صرف اتنا کہدینا کافی نہ تھا کہ اب کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کرسکتے اور بموقع نکاح آزاد عورت کے لئے نساء کا لفظ استعمال ہوا ہی ہے، لہٰذا استثناء کی ضرورت ہی نہ تھی مقصد بلا استثناء حاصل ہو جاتا ہے کہ "ممنوع عنہا آزاد محصنہ ہیں"،

نکاحِ جدید کی دو صورتیں ہوسکتی تھیں۔

۱۔ کسی عورت سے نکاح ہو، بایں طور کہ کسی زوج کو چھوڑا نہ جائے۔ سب موجود رہیں۔

۲۔ کسی عورت سے نکاح ہو۔ بایں طور کہ اس کے لئے ایک جگہ خالی کی جائے۔

مقصود مطلقاً نکاحِ جدید سے (حسب ارشاد) روکنا تھا، اس لئے حرف نفی (لا)

---

[1] اسی لئے تو وآتوا النساء صدقاتھن نحلۃ میں او ما ملکت ایمانکم سے لا تعولوا تک کا فاصلہ جائز ہوا۔

مکرر لا کر دونوں صورتوں کی ممانعت کر دی کہ نہ یہ کرسکتے ہو اور نہ وہ ———

لیکن اس حکم میں یہ استثنائی شکل مدنظر تھی، آپ کے نزدیک صورت اولیٰ میں یہ استثنا مقصود تھا کہ اپنی ملک یمین سے (بلا تبدل) نکاح کرسکتے ہو ———

چنانچہ الا ما ملکت یمینک کہا اور میرے نزدیک استثنا یہ مدنظر تھی کہ اپنی مملوکہ کو بلا نکاح فراش بنا سکتے ہو، اس لئے الا ما ملکت یمینک کہا۔

کس کا خیال صحیح ہے؟ اس کے لئے میزان حقیقی قرآنی لفظ ہی ہو، غور فرمائیے۔ ارشاد ہوا ہو کہ "لا یحل"۔ یعنی کوئی عورت حلال نہیں ہے، نہ ازواج کی تبدیلی کرکے اور نہ بلا تبدل۔

آپ کے نزدیک لا یحل لک النساء من بعد کا مطلب یہ ہے کہ اب تم کسی عورت سے نکاح نہیں کرسکتے نہ کسی زوجہ کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر اور نہ بلا تبدل، مگر ہاں، اپنی ملک یمین سے نکاح کرسکتے ہو، تو اگر نکاح کے لئے آپ کی اختیار کردہ استثناء مطلوب ہو تو لا یحل عام لفظ کیوں بولا گیا؟ کیا حلال اور نکاح مرادف الفاظ ہیں؟ کیا یہ بھی مفاتیح کے قبیل سے ہوگا کہ سب کے سب عربیت سے نابلد ہوں گے اور لا یحل کا معنی ہوگا لا تنکح — اگر ایسا نہیں ہے کہ حلال اور نکاح مرادف الفاظ ہوں، اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو لا تنکح النساء من بعد کہنا چاہئے تھا، اور یہی کہنا مفید مقصد ہوتا، آخر اس طور سے کہا جاتا تو ——— "عبارت میں کون سی خرابی پیدا ہو جاتی" ——— بلکہ مصرح اور واضح ہوتی اور معنی متعین ہو جاتا۔ کیونکہ جس طرح:-

"عام ممانعت کی ضرورت کے وقت خاص ممانعت بالکل مخالف بلاغت ہے، بلکہ مخالف حکمت ہے"۔ (الدر الثمین صفحہ ۱۲ سطر ۱۹)

اسی طرح خاص لفظ کے ذکر کے وقت عام لفظ بولنا کہاں کی بلاغت ہے؟ یہ بھی مخالف بلاغت بلکہ مخالفِ حکمت ہے، بلکہ متکلم کا اپنے مافی الضمیر کی ادائگی میں عجز پر دال ہے۔

اور ہمارے مسلک کی رو سے بالکل صحیح ہے، چونکہ ماملکت یمینک کو مستثنیٰ کرنا تھا اس لئے لایحل ہی کا لفظ آنا چاہئے، یا یہ کہئے کہ چونکہ لایحل کا لفظ ہے اس لئے ملک یمین کے استثناء کی ضرورت پڑی۔ مختصر طور پر اسے اور واضح کئے دیتا ہوں:۔

فراش بنانے کی دو صورتیں ہیں

۱۔ کسی عورت سے نکاح کر کے۔

۲۔ اپنی ملوکہ کو بلا نکاح۔

صورتِ اولیٰ کے دو پہلو ہیں (الف) تمام ازواج کی موجودگی میں نکاح جدید (ب) کسی کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر نکاح۔

لفظ حلال دونوں صورتوں کو شامل ہے، فرمایا کہ اب آپ کے لئے کوئی عورت حلال نہیں لیکن لایحل سے اشتباہ ہوسکتا تھا کہ بلا نکاح محل استمتاع بھی ممنوع ہوگیا۔ کیونکہ اس عام لفظ (لایحل) کے ماتحت تین شکلیں ممنوع ہو رہی تھیں:۔

۱۔ نکاح جدید بغیر اس کے کہ کسی زوج کو چھوڑا جائے۔

۲۔ نکاحِ جدید کسی زوج کو چھوڑ کر، اس کی جگہ پر۔

۳۔ بلا نکاح اپنی ملک یمین،

لہذا ماملکت یمینک کا استثناء کر کے بتا دیا کہ حلال کی ایک شکل ممنوع نہیں، یعنی بلا نکاح ملک یمین کو فراش بنانا حلال ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ "ممنوع عنہا آزاد محصنہ ہیں" قابل غور ہے کہ وجہ ممانعت کیا ہو؟ قبل النکاح آزاد ہونا اگر وجہ ممانعت ہے تو کسی زوج کو طلاق دے کر اپنی ملوکہ سے نکاح ممنوع نہ ہوتا، حالانکہ یہ بھی ممنوع ہے، تبدل اگر سبب ممانعت ہے تو نفس نکاح سے نہ روکا جاتا، بلکہ صرف بالتبدل سے روک دیا جاتا، معلوم ہوا کہ اصل ممانعت نکاح جدید سے ہے، اور یہ "خود ساختہ قیاس" نہیں ہے، بلکہ مبنی بر آیت صریحہ ہے ذٰلک ادنیٰ ان تقرّ اعینھن ولایحزن ویرضین بمآ اٰتیتھن کلھن کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی دلجوئی انکی خاطرداری اور اُن کے ایثار و قناعت کے صلہ میں بطور انعام نکاحِ جدید سے روکا جارہا ہے، من بعدُ[1] کا لفظ بھی اس کی طرف مشیر ہے، کہ جب انھوں (ازواج مطہرات) نے آپؐ کے دامن سے وابستہ رہنا پسند کیا، خدا اور اس کے رسولؐ کی رضا کو فوقیت دی، خاکپائے رسول پر دنیا کی ساری نعمتوں کو نچھاور کردیا، اور دنیاوی عیش و آرام کو تج کر بیتِ رسول ہی میں رہنا پسند کیا، اسی کو اختیار کیا، تو اس کے صلہ میں اُن کے

---

[1] کہ آخر من بعد کے مضاف الیہ کو حذف کردینے میں رمز کیا ہے؟ من بعد ھن کیوں نہ فرمایا؟ وجہ یہ ہے کہ ماسبق میں یہ تھا کہ ذٰلک ادنیٰ ان تقرّ اعینھن الآیہ۔ اب اس آیت میں بعد کا مضاف الیہ حذف کر دیا گیا یعنی من بعد اختیارھن اللہ ورسولہ ورضاھن بما یؤتیھن من الوصل والھجران والنقص والحرمان ـــــ مضاف الیہ ذکر کرنے میں عبارت طویل ہو جاتی اور حذف کر کے اس اسلوب اور اس ایجاز میں وہ ساری باتیں سمٹ آئیں، اور قرینہ کے واسطے اسکے پیشتر ذٰلک ادنیٰ ان تقر اعینھن الآیہ موجود ہی ہے۔

واسطے انعاماً نکاحِ جدید سے آپؐ کو روکا گیا اور کہا گیا کہ اب موجودہ ازواج ہی پر اکتفا فرمائیں۔ یہ ہے حکمتِ ممانعت — اب سوال یہ ہے کہ مملوکہ سے نکاح کرنے کے بعد دیگر ازواج مطہرات میں اور اس منکوحہ میں کیا فرق ہوگا؟ نکاح کسی حرّہ سے ہو یا اپنی مملوکہ سے اس کی حقیقت تو بدلے گی نہیں، حسب ارشاد یہ آزاد محصنہ ازواج النبی ہی ہوں گی، دونوں کے حقوق یکساں ہوں گے، دونوں آزاد محصنہ ہوں گی، شرعاً وحقیقۃً کسی لحاظ سے کوئی فرق ہوگا نہیں، تو پھر موجودہ ازواج مطہرات کے امتیازات کیا باقی رہ جاتے ہیں؟ موجودہ ازواج مطہرات کو کیا انعام ملا؟ اور انھیں پر اکتفا کرنے کی ہدایت کا حاصل کیا نکلا؟ کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں — (؟)

سورۂ احزاب کی جس آیتؐ[1] کو آپ نے عموم لفظ پر نقض کرتے ہوئے پیش فرمایا تھا جس کا جواب پچھلے صفحات میں دیا جا چکا ہے، اس آیت میں خود اس امر (مملوکہ کے بلا نکاح محل استمتاع ہونے) کا اشارہ پایا جاتا ہے — اس طور پر کہ یہ ایک عام اور مشہور اصول ہے، جس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے کہ جب کسی موصوف پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو علّۃ الحکم اس کی صفت ہوتی ہے، جیسا کہ الحمد للّٰہ رب العالمین الآیہ میں کہ حمد کی علت واجب تعالیٰ کی ربوبیت وغیرہ ہے، اس قاعدہ کے پیش نظر یہ آیت دیکھئے، حلّتِ ازواج کی وجہ ادائگیِ مہر واجر بنتی ہے، کیونکہ التی آتیتھن اجورھن

[1] یعنی یا ایھا النبی انّا احللنا لک ازواجک الّتی آتیتھنّ اجورھنّ وماملکت یمینک مما افاء اللہ علیک الآیہ

ازواجک کے بعد صفتاً ذکر کیا گیا ہے، اور ماملکت یمینک کی وجہِ حلّت مما افاء اللہ[1] علیک بنے گی۔ یہ نہیں کہا گیا کہ:-

.... اور (حلال کیا ہم نے) تمھاری اُن مملوکات کو جنھیں

"حساب دوستاں در دل" کر کے تم زوجیت میں لائے ہو۔

گزشتہ صفحات میں یہ چیز بوضاحت سامنے آچکی ہے کہ اگر احللنا کو مقیّد بالنکاح کیا جائے تو چاہئے کہ ازواج سے پھر نکاح ہو، اور جب آپ ازواجک تک احللنا کا صدق بلا نکاح رکھ سکتے ہیں، تو لگے ہاتھوں اسکا وہ صدق ذرا کھینچکر ماملکت یمینک تک بھی آسکتا ہے، کیونکہ دونوں احللنا کے معمول ہیں، دونوں مستقل مذکور ہیں اور ازواجک .... کے بعد ہی متصلاً

[1] یہیں سے روز روشن کی طرح یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ملک یمین کو ملک یمین (مقبوضہ دست راست) کیوں کہتے ہیں؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ خود لونڈی، غلام کو ملک یمین کہنے کی وجہ تسمیہ واطلاق لکھ گئے ہیں کہ:-

"ان یکون لہ اسم شیٔ میں وہی لام تملیک ہے، جو ملک یمین کا مفہوم ظاہر کر رہا ہے .... اگر یہ مفہوم پوشیدہ نہ ہوتا تو ان یکون لہ اسم شیٔ نہ کہا جاتا، بلکہ ان یحصنہ عندہ اسم شیٔ وغیرہ کہا جاتا" (ثمین ص۹)

اور کیوں صاحب! — "کنجی یا خزانے کا امین مالک (تو) نہیں کہا سکتا" — لیکن کیا، شیٔ مرہون پر لام تملیک لگا کر اس شے کے واسطے ملکیت ثابت کی جاتی ہے؟ پس آپ کے اس اعترافِ تملیک اور مما افاء اللہ سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ (باقی صفحہ ۱۵۰ پر)

ماملکت یمینیک .... ہے۔ بنات عمک سے نکاح کی شرط و تقیید میں ہم

(بقیہ صفحہ ۱۴۹) انھیں ملک یمین کیوں کہتے ہیں؟ اسی کے ساتھ ان پر حق ملکیت بھی بخوبی روشن ہوجاتا ہے، ورنہ لام تملیک ان کے لئے نہ آتا، نیز ان پر فے کا اطلاق نہ ہوتا، کیونکہ فے پر بھی حق ملکیت ثابت ہے، ملاحظہ ہو—— وما افاء اللہ ...... وللرسول و لذی القربیٰ الآیہ (حشر) یہاں بھی وہی لام تملیک ہے اور جب حق ملکیت ثابت ہے تو اس سے لازمی طور پر حق استفادہ کا ثبوت ہوتا ہے، ورنہ ملکیت بے معنی اور لغو ہوگی، اور حق ملکیت ایک ایسا لفظ ہوگا جو شرمندۂ معنی و مطلب نہ ہوگا۔ ما نا کہ لونڈی، غلام کو فقہ کی زبان و اصطلاح میں فے نہیں کہتے ہیں، لیکن یہ اصطلاح تو بعد کی چیز ہے، اور یہ اصطلاح کیوں ہوئی؟ اس کی بھی وجہ ہے، سورۂ حشر ہی میں ہے کہ وما افاء اللہ فما اوجفتم من خیل ولا رکاب —— چونکہ چیزیں دو طرح سے حاصل ہوتی تھیں، ایک محاربہ سے، دوسرے بغیر جنگ و قتال محض عسکری دباؤ سے۔ ایک کو (اصطلاح فقہ) غنیمت کہدیا، دوسرے کو فے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ اصطلاحی تعبیر احکام میں کیا اثر انداز ہوتی ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس تملیک میں دونوں کی حیثیت بالکل مساوی ہیں، جس طرح فے (اصطلاحی) کے لئے للرسول و لذی القربیٰ وغیرہ ہے، اسی طرح غنیمت کے لئے بھی لام تملیک داخل کرکے للرسول و لذی القربیٰ وغیرہ ہے، غرض اظہار تملیک و استفادہ کے لئے للرسول و لذی القربیٰ وغیرہ قدر مشترک ہیں، اصطلاح کا محور محض ایجاف و عدم ایجاف ہے، تملیک و استفادہ کے لحاظ سے دونوں کی حیثیتیں یکساں ہیں، پس اگر لونڈی غلام کی حیثیت محض ایک معمولی نظر بند کی سی ہوتی اور اس سے کسی طرح کے استفادہ کا حق نہ ہوتا، تو عندنا اسیر یا حبس عندھم وغیرہ کہا جاتا، ان کے لئے "لام تملیک" استعمال نہ ہوتا (باقی صفحہ ۱۵۱ پر)

اور آپ دونوں متفق ہیں واجب پر احللنا کے صدق کے لئے آخر آپ نکاح کی قید نہ لگائیں گے، ماملکت یمینیک بھی اس میں شامل ہوسکتا ہے،

(بقیہ صفحہ ۱۵۰) ساتھ ہی اس لام تملیک کے اعتراف سے از خود آپ کی یہ دلیل بھی مجروح ہوجاتی ہے کہ:-

"جب لونڈی، غلام دونوں زر فدیہ میں گرو ہیں، دونوں سے فدیہ کا یکساں طور سے مطالبہ کیا گیا، جو حق آقا کو غلام پر حاصل ہے وہی حق بلا فرق لونڈی پر بھی حاصل ہوتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ لونڈی پر فراش بنانے کا ایک فاضل حق حاصل ہوجائے" ——

(ملخص پیرا گراف ۳ صفحہ ۱۸)

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ایک ملک پر جو حق ہے، ملکیت کے لحاظ سے وہی حق دوسری ملک پر بھی ہوتا ہے، مگر ایک کے جو مصارف ہوتے ہیں، بعینہ دوسرے سے بھی وہی مصارف لینے ضروری نہیں، ٹائم پیس الارم اور جیبی گھڑی، گھڑی ہونے میں دونوں برابر ہیں، دونوں آپ کی ملکیت میں ہیں، اپنی ان دونوں ملک سے استفادہ کا حق آپ کو حاصل ہے، مگر ٹائم پیس الارم سے علاوہ وقت معلوم کرنے کے، نیند سے بیدار کرنا بھی ایک زائد مصرف آپ لیتے ہیں، جو جیبی گھڑی سے نہیں لے سکتے، اسی طرح لونڈی غلام دونوں کے لئے حق تملیک ثابت ہے، اس حق تملیک کی بنا پر دونوں سے استفادہ کا حق آپ کو حاصل ہے، مگر ضروری نہیں کہ دونوں کے مصارف یکساں ہوں، یا کسی سے زائد مصرف نہ لیا جاسکے، اور ایک سے جس نوعیت کا استفادہ کیا جائے، بعینہٖ اسی نوعیت کا استفادہ دوسرے سے بھی ہو، لونڈی چونکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ایسی ہے جو فراش بنائی جاسکتی ہے، اس لئے اس سے یہ مزید استفادہ ہوگا، جس طرح ٹائم پیس (باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

اور قرینہ مما افاء اللہ علیک ہے، جو علّت الحکم کا کام دے رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ ١۵١) الارم سے ایک زائد مصرف لیا جاتا ہے، اور غلام سے وہ استفادہ ہو نہیں سکتا جس طرح جیبی گھڑی سے نیند سے بیدار کرنے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔

اور پھر ذرا سوچئے اور سمجھنے کی بات ہے کہ مرہون وہی شے ہوتی ہے جو مملوک ہو سکے، جس چیز میں مملوک ہو سکنے کی صلاحیت نہ ہو وہ مرہون بھی نہیں ہو سکتی۔ پس ممالیک کا (زر فدیہ میں) مرہون کہنا، خود اس امر پر دال ہے کہ یہ مملوک ہو سکتے ہیں، اور جب مملوک ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مذکورۂ بالا دلائل و براہین واضحہ کی روشنی میں انھیں مملوک نہ کہا جائے، اور جب ان کی ملکیت ثابت ہے تو اُن سے حق استفادہ از خود ثابت ہو جاتا ہے، نیز غور کرنے کی بات ہے کہ حسب ارشاد انھیں ہر طرح کی پوری پوری آزادی اقتصادی معاشی اور اخلاقی حاصل ہے۔ اسلام نے ان کے کسی "معاشی و اخلاقی حق کو نہیں چھینا ہے تو" سارے معاملوں میں لونڈی غلام دونوں برابر ہیں، لونڈی پر کسی طرح کا کوئی فاضل حق حاصل نہیں، تو پھر قرآن اس نکاح کے قصہ ہی کو کیوں بیان کر رہا ہے، کسی کی ملک یمین سے نکاح اس کے آقا کی اجازت پر موقوف کیوں ہے (باذن اھلھن) آقا کو خود اس سے نکاح کرنے کی صورت میں محض اسے اطلاع دینے کا "فاضل حق" کہاں سے حاصل ہو گیا؟ اور اسی پر بس نہیں، قید سے پیشتر جو شوہر دار تھی اس کو زوجیت میں لے لینے کا "فاضل حق" کیوں اور کس بنا پر حاصل ہو گا؟ آپ فرمائیں گے وہ مسلمان ہو چکی ہے، اس کے "دنیا" قید سے پہلے والا اس کا شوہر مسلمان نہیں، لیکن یہ کیا ضرور کہ ایسا ہی ہو تصویر کا ایک رخ یہ بھی تو ہے کہ ادھر وہ قید ہوئی ادھر اس کے سارے اہل خاندان اور اس کا شوہر مسلمان ہو گئے، یہ بھی بخوبی ممکن ہے کہ وہ اور اس کا شوہر بیک وقت قید ہوئے، دار الاسلام میں دونوں لائے گئے، یہاں دونوں مسلمان (باقی صفحہ ١۵٣ پر)

ان دو دلیلوں کے ساتھ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج والی آیت (والحافظون لفروجھم الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم) بھی سامنے رکھئے

(بقیہ صفحہ ١۵٢) ہو گئے ــــ (واضح رہے کہ حالت کفر کا عقد نکاح برقرار رہتا ہے، اگر زوجین مسلمان ہو جائیں، ایک ساتھ کلمۂ شہادت کا پڑھنا بھی ضروری نہیں، دوسرے کو مہلت دی جاتی ہے، اگر فریق ثانی بھی ایمان لے آیا تو خیر، ورنہ پھر نکاح فسخ ہو جاتا ہے) ــــ فرمائیے، کسی کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اس کے اولیاء سے بلا اجازت اس سے نکاح کر لے، یا کسی سے اس کا نکاح کر دے، اور لطف یہ کہ خود آقا نکاح کرنا چاہے تو محض اُسے اطلاع دیدینا کافی ہو اور بس، ممکن ہے اس کے اولیاء انتظام زر فدیہ میں ہوں، تاکہ اسے زر فدیہ دے کر آزاد کرائیں اور پھر اپنی پسند سے اس کا نکاح کریں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محنت مزدوری کر کے تھوڑا تھوڑا پس انداز کر رہی ہو، تاکہ زر فدیہ ادا کر سکے، اس کو تو اقتصادی، معاشی اور اخلاقی ہر طرح کی آزادی حاصل ہے؟ اور قید سے پیشتر شوہر دار مملوکہ سے نکاح کر لینے کا حق دینا تو اس کی "ہر طرح کی پوری پوری آزادی" پر ضرب کاری لگاتا ہے، اُس کا شوہر بھی دار الاسلام میں قید ہو کر آ گیا ہے وہ بھی مسلمان ہو چکا ہے، اور اسنے اپنی "پوری پوری آزادی" سے فائدہ اٹھا کر اپنی بیوی کے فدیہ کا انتظام کیا، لیکن دیکھتا کیا ہے کہ اس کی منکوحہ کو اس کے آقا صاحب "حساب دوستاں در دل" کر کے اپنی زوجیت میں لئے ہوئے ہیں، بتائیے، وہ غریب سر پکڑ کر بیٹھ نہ جائے گا؟ غرض اس قول نے تو فانکحوا ما طاب لکم من النساء... او ما ملکت ایمانکم اور .... فانکحوھن باذن اھلھن کو عجیب لغو صورت دیدی، آقا کو یہ فاضل حقوق آخر کیوں اور کس طرح حاصل ہو گئے؟

باادب عرض ہے کہ والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم ہیں

(باقی صفحہ ١۵۴ پر)

جیسے "بلا نکاح فراش بنانے فراش بنانے کی سب سے بڑی مگر واحد دلیل" فرمایا گیا ہے، اور جبکہ آپ کی جانب سے کئے ہوئے سارے اعتراضات اور ہر نقض کے ایک نہیں متعدد جوابات دیے جا چکے ہیں اور آپ نے جو (سورۂ مومنون والی آیت میں) اس کی تفسیر و تعبیر فرمائی ہے، اس کے اسقام بھی نقض و معارضہ اور الزامی شکلوں میں اچھی طرح واضح کر دیے گئے ہیں۔ لہٰذا بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ آقا کو حق تملیک کی بنا پر اپنی مملوکہ سے بلا نکاح استمتاع کے اذن پر قرآنی آیات کی واضح تر دلالۃ النص ہے۔

ان واضح دلائل کے ساتھ اگر دل چاہے تو تاریخی شہادتوں کا بھی جائزہ لے لیجئے، صدر اول سے لیکر، جب تک سلسلۂ جہاد و قتال فی سبیل اللہ جاری رہا ہو تب تک اُن تعلقات و برتاؤ کو سامنے رکھئے۔ جو اپنی ملک یمین کے ساتھ اس معاملہ میں لوگوں کے رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ بحالتِ رقیّت مملوکہ کی زندگیاں گذر گئیں، انھیں آزاد نہیں کیا گیا، مکاتَب نہیں کیا گیا، مدبّر نہیں کیا گیا۔ اور کسی دوسرے شخص سے ان کا نکاح بھی نہیں کیا گیا، ایسی حالت میں یا تو یہ کہا جائے کہ اپنی ان اماء سے تعلقات نہ رکھتے تھے اس بنا پر اولاً تو یہ لازم

(بقیہ صفحہ ۱۵۳) غور و تدبر فرمایا جائے، یہ ایک ایسی نص ہے، جس کا کھلا ہوا اقتضاء یہ ہے کہ لونڈی، غلام کی حیثیت یہ نہیں کہ انھیں اقتصادی، معاشی، اخلاقی، رہن سہن، غرض ہر معاملہ میں پوری پوری آزادی حاصل ہو، ساتھ ہی اس آیت کے اقتضاء سے یہ بھی ثابت ہوتا ہو کہ حق تملیک سے استفادہ کا استحقاق حاصل ہے اور حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے آقا اپنی اس ملکیت کے اپنے حق تملیک کی بنا پر؛ اپنے غلام سے وہ مصرف لے سکتا ہے جو فطرۃً لیا جا سکتا ہو اور اپنی مملوکہ سے بھی وہ مصرف لے سکتا ہو جس کی اجازت اس کی فطرت و خلقت دے سکتی ہے۔

آتا ہے کہ وانکحوا الایامیٰ منکم الآیہ کے وجوب کو ترک کیا، آخر صیغۂ امر ہونے میں فکاتبوھم اور وانکحوا دونوں برابر ہیں، اور امر کی اصل وجوب کے لیے جب فکاتبوھم[1] میں ہوگی تو وانکحوا میں بھی ہونی چاہئے۔ ثانیاً یہ کہ اپنی ملک یمین کو اس حال میں رکھنا کہ نہ خود انھیں فراش بنائیں، نہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیں، ان کی صنفی خواہشات و بشریت اور ان کے حقوقِ نفس کا گلا گھونٹ دینا ہے، انھیں بغاء و زنا اور مسافحت و اتخاذ الاخدان کی راہ پر ڈال دینے کے مرادف ہے،

یا چونکہ بزعمِ خویش ہماری یہ تحقیق ہے اس لئے یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا، اور یہ "ہوگا" آگے بڑھ کر "ہے" بن جائے کہ پہلے اُن سے مکاتبت کے لئے پوچھا گیا ان کے انکار پر "حسابِ دوستاں دردل" کر کے اعلان و اطلاع کر دیا گیا اور اس "اعلان و اطلاع" نے ایجاب و قبول بن کر اُن لونڈیوں کو حلۂ حریت پہنا دیا۔ اس قول پر سائل سوال کرے گا کہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ "اعلان و اطلاع" اور "حسابِ دوستاں دردل" کا پتہ چلتا ہو، ان کی اولاد کا ذکر، ایک ایک نقل و حرکت ایک ایک لفظ، رتی رتی باتیں سب محفوظ مگر یہ "اعلان و اطلاع" ہی پردۂ خفا میں رہ گیا؟ اور پھر اگر ایسا ہی ہوا ہوگا (ہے) تو ہمیں تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے کہ آقا کی وفات کے بعد ان کی مملوکہ میں وراثت جاری ہوئی، وہ فروخت بھی کی گئیں، اگر آقا نے "حساب دوستاں دردل" اور "اعلان و نکاح" کیا تھا تو پھر وہ ملک یمین (حسب ارشاد) آزاد محصنہ تھیں؟ آزاد محصنہ کا وراثت میں کسی کو ملنا اور ان کا فروخت کیا جانا، چہ معنی دارد؟

پھر غور طلب یہ ہے کہ اُمّ الولد کی اصطلاح کیسی اور کیوں؟ جبکہ آقا کا اپنی مملوکہ کو (حساب دوستاں دردل کرتے ہوئے اعلان و اطلاع کے

---

[1] درثمین صفحہ

ساتھ بھی) فراش بنانا ہی اس مملوکہ کے لئے پروانۂ آزادی ہے، صاحبِ اولاد مملوکہ کی آزادی کا آقا کے انتقال تک معلق رہنا کیا مفہوم رکھتا ہو؟ ———
اور یہ اصطلاح محض نہ ہمارے فقہاء، ہی کی تو نہیں بلکہ "قرونِ مشہود لہا بالخیر" سے چلی آرہی ہے، ہاں اگر یہ بات ہے کہ اس تواترِ اصطلاح کی حقیقت بھی اختراعِ محض ہی ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

حدیث کا یہ حکم تو قرآن کے باشارۃ النص یا باقتضاء النص ثابت" ہو کر:-

"اگر بوقت تقسیم ملک یمین ایسے شخص کے حصہ میں پڑے جس کے ساتھ اس مملوک کو از روئے قرابت رحمی محرمیت و وراثت ہو تو وہ مملوک آزاد ہو جائے گا" (رثیمین ص۳۲)

مگر سورۂ مومنون و معارج اور سورۂ احزاب کی مذکورہ آیات سے باشارۃ النص یا باقتضاء النص بھی بلا نکاح اذنِ استمتاع نہ نکلے، اور یہ ساری آیات ممانعت کے لئے "نص صریح" ہو جائیں، اور ان کو واضح کرنے والی، ان کے مصادیق کو متعین کرنے والی اور ان کی تفسیر و تشریح کرنے والی ساری احادیث و روایات اور ناقابلِ شمار واقعات و آثار اور تعامل[1] ایک ایک کرکے افترائے محض ہو جائیں

---

[1] آج چونکہ سلسلۂ جہاد (قتال فی سبیل اللہ) بند ہے، اس لئے تعامل کا نمونہ نظر نہیں آتا، ورنہ اس تعامل کا علم انھیں ذرائع و وسائل سے حاصل ہے جن ذرائع و وسائل سے طرقِ نماز کا علم ہوا ہے، تعامل کے پہلے صحتِ تعامل کا علم ضروری ہے، ورنہ ما وجدنا علیہ آباء نا کہنے والے بھی دوسرے لفظوں میں اسی تعامل کو بطور حجت پیش کرتے رہے ہیں اسی طرح جن ذرائع و وسائل سے ہمیں مسح علی الخفین کا علم حاصل ہوا ہے، انھیں ذرائع و وسائل سے اپنی مملوکہ کو بلا نکاح فراش بنا سکنے کا علم حاصل ہوا ہے (باقی صفحہ ۱۵۷ پر)

اور ہم سے جب بھی طلب ہو عبارۃ النص اور نص صریح کی اور اپنی خواہش کے مطابق اگر ایک آدھ روایت، واثر بھی مل جائے اور قرآن کی کوئی نص موجود نہ بھی ہو تو اسکے لئے اشارۃ النص اور اقتضاء النص سب کے سب جائز قرار دے لئے جائیں، تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ۔

(بقیہ) اور غالباً آپ مسح علی الخفین کے قائل ہیں، تو پھر ——— "جو عموم اور جو اطلاق کہ بدلیل قطعی مذکور ہو، اگر اس کی تخصیص یا تقئید ہو سکتی ہے تو وہ بھی قطعی ہی دلیل سے" صفحہ ۳۳ ——— کس دلیل قطعی اور کس نص صریح سے آیت الوضوء میں اسکے تفصیلی ذکر پر زیادتی یا اس کی تخصیص و تقئید (یعنی غسلِ رجل اس وقت جبکہ خف نہ ہو) کی جارہی ہے؟ فرمایا جائے گا تعامل ——— تو اس تعامل کا علم کہاں سے حاصل ہوا؟ عینی مشاہدہ؟ تو یہ تعامل آج کتنی تعداد میں نظر آتا ہے؟ اور اگر عینی مشاہدہ و تعامل کی اتنی تعداد کافی ہے، آیت الوضوء میں تخصیص و تقئید کے لئے تو اس سے کہیں زیادہ تعامل کی تعداد بلا خف مسح بالرجل کی نظر آتی ہے، تو کیا اس تعامل کے باعث بلا خف پیروں پر مسح کرنا درست ہوگا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ محض عینی مشاہدہ کافی نہیں بلکہ اس کے بیشتر علم و تحقیق اور اذعان و صحت کا علم ضروری ہے، اور تعامل کی صحت کے علم کے لحاظ سے دونوں شکلیں (مسح علی الخفین کا جواز اور اپنی مملوکہ سے بلا نکاح اذنِ استمتاع) مساوی حیثیت رکھتی ہیں، حصولِ علم کے ذرائع و وسائل دونوں شکلوں کے ایک ہی ہیں۔ جہاد (قتال فی سبیل اللہ) کا بند ہو جانا، اپنی مملوکہ کو بلا نکاح فراش بنا سکنے کے حالیہ تعامل کے واسطے ایک مانع بن گیا ورنہ اگر یہ جاری رہتا تو آجکل بھی اسکا تعامل نظر آتا۔ جس طرح مسح علی الخفین کا عینی مشاہدہ معدوم ہو جائے گا، اگر خدا نخواستہ خاکم بدہن مسلمان اس فرض (نماز) کو بھی ترک کر دیں جس طرح اُس (جہاد و قتال) سے دست بردار ہو گئے ہیں، تو کیا پھر مسح علی الخفین بھی غیر شرعی و غیر اسلامی چیز ہو جائیگی؟ اور اسکے متعلق سارے واقعات و شواہد تاریخیہ اور روایات و احادیث کی شہادتیں جھوٹی، موضوعات، اور افتراء و کذب کی پوٹ ہو جائیں گی؟۔

غرض، صدرِ اول سے لے کر سلسلۂ جہاد و قتال کے زمانۂ بقا تک لوگوں کے اپنی مملوکہ سے تعلقات و برتاؤ سے متعلق ٹھوس تاریخی شہادتیں بھی اسی نتیجہ تک پہونچاتی ہیں کہ بلانکاح اذنِ استمتاع ہے، اور یہی وجوہ و اسباب ہیں کہ ساری دنیائے اسلام کا اسپر اتفاق و اجماع ہے کہ اپنی مملوکہ سے بلانکاح استمتاع کا اذن ہے، اور ایسا اجماع و اتفاق کہ کہیں سے اختلاف کی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں[1] دیتی، دو چار دس پندرہ "علماء و فقہاء" کا قصہ ہوتا تو خیر ایک بات تھی لیکن یہاں تو ایسا اجماع اور ایسا اتفاق ہے کہ باید و شاید۔ اور اگر ایسے اجماع ایسے اتفاق اور اس طرح کے تواترِ اقوال کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ سب نے دھوکا کھایا ہر شخص نے مسافحانہ رسم جاری کرنی چاہی، ایک ایک ہستی نے اپنے مفروضات و اباطیل کا قرآن کو تبع کرنا چاہا، سب کی ذہنیتیں ایک ایک کر کے پلٹ گئیں اور یہ کہ سارے دفاترِ بے پایاں (احادیث و روایات، واقعات و شواہد، اعمال و اقوال اور تاریخ کے) موضوعات، اکاذیب، اور تلبیس بشنیع ہیں، کسی نے ہماری فہمیدہ

---

[1] ورنہ اگر ایک حدیث، ایک واقعہ اور کہیں ایک روایت بھی ایسی ہوتی جس سے اپنی مملوکہ سے اعلان و اطلاع اور "حسابِ دوستاں در دل" کر کے استمتاع کا پتہ چلتا ہوتا اور اگرچہ وہ اسناداً ضعیف ترین ہی کیوں نہ ہوتی مگر رسالہ میں زیب قرطاس ضرور کر دی جاتی، اور جس طرح روایت سے بحث نہ کرنے کے عہد کے باوجود "مال العبد للمولیٰ" اور "ملک مفاتح" وغیرہ میں یہ کہتے ہوئے احادیث ذکر کی گئیں کہ ——— "میں تو اس مضمون میں اپنے ارادے کے مطابق صرف قرآنی آیتیں ہی پیش کروں گا ......
.... لیکن اگر فریق کی دلیل ہی سے میرا مطلب نکل آئے تو یہ زائد نفع ہے" صفحہ ۹
——— اسی طرح اِس موقع پر بھی "وزائد نفع" ضرور حاصل کیا جاتا، مگر کیا کیجئے کہ "وزائد نفع" کے کھاتے میں جتنے اندراجات ہیں، سب کے سب بلانکاح اذنِ استمتاع ہی کی شہادت دے رہے ہیں۔

"نصِ صریح" کو نہ سمجھا، اور مفتریاتِ بے پایاں نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور ہمارے استنباط و دلائل اور ہماری فکر و نظر قرآنی نصِ صریح کا اُردو ایڈیشن ہے ——— تو ——— عمارتِ دین متزلزل ہو کر رہ جائے گی۔ اہلِ حق کے سارے متفق علیہ مسلّمات اور سارے تعامل مشکوک ہو کر رہ جائیں گے، ہم جو نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں، سب میں شک و ریب کے رخنے پڑ جائیں گے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اِس معاملہ میں بھی، سارے اکابر کی ذہنیتیں" پلٹ گئی ہوں، اور "موضوعات و اکاذیب" کی بنا پر انھوں نے "ایک مردہ لاش میں روح پھونک" کر نماز و روزہ کے یہ ڈھانچے کھڑے کر دیے ہوں، حتیٰ کہ اپنے نصوص صریحہ کو قرآنی نصوص بتا کر اور اس کے ماوراء احادیث و روایات اور واقعات و تعامل وغیرہ ساری چیزوں کو یکلخت "موضوعات" "اکاذیب" اور "حکایات" طبعزاد قرار دیتے ہوئے تین وقت کی نماز اور تین یا نو ایام کے روزوں کے قائلین بھی اپنے ثبوت پیش کر دیں گے، کل ایک شخص کھڑا ہوگا اور یہ ادّعاء کرے گا کہ قرآن میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے، آپ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما کی آیت قرآنیہ پیش کریں گے، وہ کہے گا کہ فاقطعوا ایدیھما سے مراد یہ ہے کہ چوروں کو فعلِ سرقہ سے معذور و بے بس کر دو، دلیل میں وہ کہدے گا کہ اردو میں ہاتھ کاٹ دینا، ہاتھ کٹ جانا محاورہ ہے بے بس کر دینے اور بے بس ہو جانے کے لئے جس طرح آئے دن بولا کرتے ہیں کہ ہم نے یہ تحریر دے کر اپنا ہاتھ کاٹ لیا ہے، زید سے یہ بات لکھوا کر ہم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہے اسی طرح عرب کا بھی محاورہ ہے اور قرآن عرب کے مروّجہ محاورہ پر نازل ہوا ہے۔ اس لئے فاقطعوا ایدیھما کہہ کر یہ حکم دیا گیا ہے کہ چوروں کو چوری سے بے بس اور معذور کر دو، اب حکومتِ وقت کو اختیار ہے کہ جیل میں ڈال کر بے بس کر دے یا شہر بدر کر کے یا کسی اور شکل سے۔ نظامِ اسلامی قائم تو ہے نہیں کہ آپ

تعامل[۱] دکھائیں گے۔ اس آیت کے مصداق کو متعین کرنے اور اس کی تفسیر و تشریح کرنے والی ساری روایات و احادیث اور سارے گزشتہ واقعات و تعامل ایسے ہی حکایاتِ طبعزاد، اور موضوعات و اکاذیب ہوں گے جن سے سارے ائمۂ دین اور مجتہدینِ عظام کی ذہنیتیں پلٹ گئی ہوں گی، تمام اہلِ لغت اور مفسرین عربیت سے نابلد ہو گئے، اور اس شخص کا یہ ادعا قرآنی "نصِ صریح" ہوگا، اور سارے اکابرِ اسلام اور سلفِ صالحین ایک ایک کرکے اس آیت کو اپنے مفروضات و اباطیل کے تابع کرنے کے مجرم نظر آئیں گے۔

اسی طرح بطورِ مثال کے اس دعویٰ پر کہ ــــ نکاح کی حد بندی چار میں نہیں ہے ــــ وہ سارے طرز ہائے استدلال اور تمام وہ مقدمات و براہین طابق النعل بالنعل کے طور پر منطبق کرلئے جاسکتے ہیں جو اپنی ملوکہ سے استمتاع کے سلسلہ میں رسالہ کے اندر قلمبند فرمائے گئے ہیں، مختصر طور سے اس کی سیر کراتا ہوں :-

ایک مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن نے نکاح کو چار میں محدود نہیں کیا ہے اسلام اجازت دیتا ہے کہ جتنی ازواج چاہو بشرطِ عدل زیرِ عقد رکھ سکتے ہو، وہ اپنے دلائل و براہین کو یوں ترتیب دیتا ہے :-

فانکحوا ماطاب لکم من النساء الآیہ میں مثنیٰ و ثلاث و رباع تحدید کے لئے نہیں ہے، کیونکہ بعض اعداد کا ذکر رفعِ حرج کو سمجھانے کے لئے آیا ہے، لہٰذا یہ بقیہ اعداد میں اجرائے حکم کو مانع نہیں ہوگا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ

افعل ما شئتَ، اذهب الی السوق والی المدینة والی البستان

کہ اس جملہ میں جانے کی اجازت کو بازار، شہر اور باغ میں منحصر کرنا مقصود نہیں ہے۔

---

[۱] اگر حکومتِ حجاز میں چوری کی سزا سے متعلق رائج قانون (ہاتھ کا کٹنا) کو آپ تعامل کہہ کر پیش کریں گے تو جواباً کہا جائے گا کہ وہاں "بردہ فروشی" بھی تو ہوتی ہے؟ اور اس ذریعہ سے حاصل شدہ عورتوں کو بلانکاح فراش بھی تو بنایا جاتا ہے؟ لہٰذا ان کو بھی "تعامل" کی صف میں رکھ کر وہاں کی بردہ فروشی کو اسلامی اور بلانکاح استمتاع کو جائز قرار دیجئے۔

بلکہ اذن ذہاب عام ہے، عمومیت اور اذنِ مطلق سمجھانے کے لئے چند جگہوں کا ذکر کردیا گیا ہے پھر یہ کہ سارے اعداد کا ذکر متعذر ہے اس لئے ما طاب لکم جیسا عام جملہ پہلے لاکر بعض اعداد ذکر کردیے گئے تاکہ بقیہ غیر متعین تعداد کے لئے اذنِ نکاح معلوم ہوجائے۔

قرآن میں ہو (فرشتوں کے متعلق) .... اولی اجنحة مثنیٰ و ثلاث و رباع (سورۂ فاطر) کیا یہاں اجنحہ کو چار میں محدود و منحصر کرنا مدنظر ہے؟ اجنحہ کی اسی کثرتِ اعداد کی جانب اس کے آگے خود اشارہ ہے کہ یزید فی الخلق ما یشاء،[۱] پس یہ آیت فانکحوا ما طاب لکم الآیہ کے لئے تعداد نکاح کے معاملہ میں تفسیر کا کام دے گی۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے .... ان تقوموا للہ مثنیٰ و فرادیٰ (سورۂ سبا)

ازواج منگیتر پر بھی بولا گیا ہے تو کیا عورتیں اپنے منگیتروں سے بھی حفاظتِ فروج نہ کریں گی (درثمین صفحہ ۲۷) یہ کیا زبردستی ہے کہ جس کا ذکر ازواج کے ساتھ اجنحہ کے بارے میں بھی مثنیٰ و ثلاث و رباع کہا گیا ہو، تو کیا اجنحہ کی تحدید مقصود ہے؟ قیام و تفکر اور تبلیغ و ذاتِ رسالت مآب[۲] کے متعلق بحث و مشورہ کے لئے باہم مل کر

---

[۱] اگر کہا جائے کہ یزید فی الخلق ما یشاء سورۂ فاطر میں کثرت کی طرف مشیر ہے، مگر سورۂ نساء میں رباع کے بعد اس طرح کا مشیر کوئی جملہ نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ما طاب لکم کا ٹکڑا مثنیٰ وغیرہ کے پیشتر ارشاد فرماکر تعمیم اور عدمِ حصر پر تنبیہ فرما دی گئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ فاطر میں اعداد کے بعد ہے اور سورۂ نساء میں پہلے۔ نیز یہ ایسا ہی ہے جس طرح اظہارِ زینت کے سلسلہ میں ایک جگہ (سورۂ نور میں) بعولتهن ہے، مگر سورۂ احزاب میں جب ابدائے زینت کے مواقع بتائے گئے تو وہاں اس فہرست میں نہیں ہے، فما هو جوابکم فهو جوابنا۔

ہو وہ بلا نکاح محل استمتاع بن جائے؟(۲۳)

مکالمہ اور غور و تدبر کی دعوت دیتے
ہوئے مثنیٰ کا لفظ لایا گیا ہے، تو کیا تین تین
اور چار چار اشخاص یہ کام کریں تو حرام
ہے؟

یہ کیا زبردستی ہے کہ جہاں مثنیٰ و ثلاث
و رباع کے الفاظ آ گئے تو تحدید سمجھ لی جائے

پس جس طرح اولی اجنحۃ کے بعد مثنیٰ وغیرہ کہہ کر اجنحہ کی کثرت کو سمجھایا، اور غیر محدود تعداد پر تنبیہ کی اور جس طرح تنہا تفکر اور قیام کی دعوت کے ساتھ آپس میں کئی کئی مل کر مکالمہ و گفتگو اور بحث و تمحیص کی تلقین کی اور اس اجتماعی قیام و تفکر کے لئے صرف مثنیٰ کا لفظ ذکر کیا، اسی طرح ماطاب لکم کے بعد مثنیٰ وغیرہ کا ذکر غیر متعین تعداد پر تنبیہ کے لئے ہے۔ یعنی بشرط عدل ایک سے زیادہ دو دو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ غرض جتنی عورتوں سے چاہو نکاح کر سکتے ہو۔

(۴) اسوۂ انسان اس کا وہ طریق عمل ہے، جس پر وہ گامزن ہو، اور اسوۂ رسول اس معاملہ میں بالتواتر اور بلا شک ثابت ہے کہ چار سے زیادہ نکاح فرمایا، اور[۱]

---

[۱] ممکن ہو کہا جائے کہ یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خالصۃ لک (سورۂ احزاب) کہہ کر مخصوص کر دیا گیا ہو، تو جواباً کہا جائے گا کہ خالصۃ لک، ان امرأۃ وھبت سے متعلق ہے، یعنی وہ عورت جو اپنے آپ کو ہبہ کر دے اور زر مہر کی طالب نہ ہو اور بلا اجر مفروض اپنی ذات کو پیش کر دے تو آپؐ کی یہ تخصیص ہے کہ اس سے نکاح فرما سکتے ہیں۔ لیکیلا یکون علیک حرج ——— گر امت کے لئے حرام ہے، اسے تو وا توا النساء صدقتھن نحلۃ اور فاتوھن (باقی صفحہ ۱۶۳ پر)

قد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرما کر بذریعہ فاتبعوہ ہمیں اسوۂ رسول کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، پھر نکاح کو چار میں کیوں محدود کیا جاتا ہے؟

واو میں اصل جمع مطلق ہے، پس اس مجموع کو ملانے سے ۹ کی تعداد نکلتی ہے، بلکہ ۱۸ ہوتی ہے، کیونکہ مثنیٰ دو کو تو کہتے ہیں بلکہ دو دو کو، علی ہذا القیاس ثلاث و رباع

قرآن عرب کی "مروجہ زبان" پر ان کی "اصطلاح، عرف عام اور استعمالات" پر نازل ہوا ہے اور عرب اس طرح کے جملے غیر محدود تعداد سمجھانے کے لئے بولا کرتے ہیں اس لئے یہ جملہ عورتوں کی غیر محدود تعداد سے نکاح کی اجازت کی خاطر بولا گیا ہے، پس:—

اگر قرآن کا مقصد تحدید ہوتا، تو رباع کے
بعد یوں کہا جاتا کہ بس چار سے زیادہ نہیں

(اگر بلا نکاح فراش بنانے کی اجازت ہوتی
تو یوں کہا جاتا کہ اپنی فراش بنالو یا کسی دوسرے

(بقیہ صفحہ ۱۶۲) اجورھن فریضۃ پر بہرحال عمل پیرا ہونا ہوگا۔

اسی طرح حضرۃ صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ نکاح کے سلسلہ میں جو جعل عتقھا صداقھا کا جملہ ملتا ہے یہ آزاد کر کے نکاح پر دلالت کرتا ہے، اور ساتھ ہی اس امر پر کہ زر مہر کو زر فدیہ بنانے کی واضح تصریح کر کے نکاح ہوا تھا، لیکن ممکن ہے اس جملہ سے کھینچ تان کر "حساب دوستاں در دل" پر حجت قائم کی جائے، تو پھر جواباً کہا جائے گا کہ بہت خوب "حساب دوستاں در دل" کر لیجئے لیکن ساتھ ہی ازواج مطہرات کی تعداد بھی پیش نظر رکھ کر امت مسلمہ کے لئے چار سے زیادہ نکاح کی اجازت کا فتویٰ دیجئے، خصوصیت رسول ؐ تو کوئی شے ہوئی نہیں، لہٰذا "حساب دوستاں در دل" بھی ہوتا رہے اور چار سے زیادہ نکاح بھی ہوتے رہیں۔

خصوصاً جہاں شبہ ہو کہ اہل عرب کے استعمال کی مد سے غیر محدود تعداد سمجھ لی جائے گی، کیا اللہ نہیں جانتا تھا کہ اس طرح کے جملے اہل عرب بموقع تکثر استعمال کرتے ہیں؟ آپ بلا دلیل قطعی چار سے زیادہ حرام کرنے والے کون؟

سے ان کا نکاح کر دو (درثمین منہیہ صـ۲۱)
خصوصاً جہاں اس کا شبہ ہو کہ اسکا تعلق معطوف علیہ کی جگہ معطوف سے سمجھ لیا جائے گا (درثمین صـ۲۴)
کیا اللہ نہیں جانتا تھا کہ اس صورت میں اشتراک ہو جائے گا؟ صـ۲۹
آپ بلا دلیل اس کو (اشتراک فراش) حرام کرنے والے کون۔ صـ۲۹

آیت عدم حصر پر دال ہے اور ایسی احادیث و روایات جن سے انحصار و قصر اور تحدید سمجھ میں آئے اس نص صریح کے مقابلہ میں قابل ترک و اعراض ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ احادیث میں جس جس شخص کو امسک وغیرہ فرما کر چار سے زیادہ کی ممانعت کی گئی ہے، وہ مخصوص اسی کے ساتھ ہو، اس میں جمیع امت شریک نہ ہو، اور ان حضرات کو منع کرنا کسی خاص مصلحت کی بنا پر ہو، مثلاً چار سے زیادہ کے درمیان عدل نہ کر پاتے ہوں اور کسی کی حق تلفی ہو رہی ہو، اسی طرح صدر اول سے لے کر اس وقت تک کسی کا چار سے زیادہ نکاح نہ کرنا، حصر قرآنی پر دال نہیں، بلکہ اس لئے اس تعداد سے زیادہ قدم نہ بڑھایا کہ اب تحفظ حقوق اور عدل کی صلاحیت اپنے اندر نہ پاتے تھے، یہ ان کا ذاتی فعل ہے اور ذاتی فعل سے حکم عام منصوص کی تخصیص تو ہوتی نہیں۔ کیا آج بخت و اتفاق سے ساری امت دو ہی پر اکتفا کرلے تو دو ہی میں تحدید پر نص کو منطبق کیا جائے گا۔؟
اب آگے بڑھئے، وہ اپنے اس مبنی بر آیت صحیحہ قیاس قطعی" کو یوں مستحکم کرتا ہے۔

اس عبارۃ النص کی دلالۃ النص کے مقابلہ میں کوئی نص صریح قطعی الدلالۃ نہیں اس کے آگے تحدید پر دلالت کرنے والا کوئی منصوص جملہ نہیں اور:-

"جو عموم اور اطلاق بدلیل قطعی مذکور ہو، اگر اس کی تخصیص یا تقئید ہوسکتی ہے، تو وہ بھی دلیل قطعی ہی سے" (درثمین صـ۳۳)

آپ مثنیٰ و ثلاث و رباع کو تحدید کے واسطے ثابت کرنے کے لئے کیا کہتے ہیں؟ احادیث؟، جواب دیتا ہے، سب موضوع، ساری روایات کذب و افترا سے لبریز، دیکھو فلاں فلاں راوی کو ان جیسے نقاد شخص نے ضعیف، شیعہ وغیرہ لکھا ہے، اور اولاً تو تحدید ثابت کرنے کے لئے ایسی حدیث کا نکلنا جوئے شیر سے کم نہیں، جس کا سلسلۂ اسناد بالکل قوی ہو، اور کسی نہ کسی امام تنقید کی جانب سے جرح شدہ نہ ہو اور اگر اتفاق سے ایسی حدیث نکل بھی آئی تو کہدے گا کہ اولاً تو یہ ظنی ہے اور ظنی سے قطعی الدلالۃ کی تقئید و تخصیص نہیں ہوسکتی، اور پھر کیا ہوا؟ ہر حیثیت سے صحیح الاسناد اور ناقابل جرح احادیث بھی موجود ہیں، جو قرآنی نص کے خلاف محض اس لئے گڑھی گئی ہیں تاکہ دین و نصوص قرآنیہ میں رخنہ ڈال دیا جائے، وضاعین اور افترا پردازان اس کو خوب جانتے تھے کہ حدیث میں اگر کہیں کسک ہوئی تو لوگ اس سے کھٹک جائیں گے اور اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں گے، اس لئے انھوں نے قصداً ایسی حدیث وضع کی جو بالکل صحیح اور قوی الاسناد ہو[1] اور یہ حدیث اسی زمرہ کی ہے ـــــ واو جمع لانے کے وجوہ و نکات ارشاد فرمائیں گے تو بول اٹھے گا کہ یہ آپ کا خود ساختہ اور من گھڑت بیان ہے، بس لغۃً و استعمالاً و اصولاً جو ہم کے

---

[1] اس کا اظہار اگرچہ الدر الثمین میں نہیں ہے مگر ہو آپ ہی کا بیان جسے آپ نے اپنی بعض دیگر تصانیف میں ذکر کیا ہے اور گفتگوؤں میں تو بارہا آپ سے سن چکا ہوں۔

کہدیا وہی صحیح ہے، یہ سارے ائمہ نحو وقواعد اور تمام ادبار، "سب کے سب عربیت سے نابلد تھے"
کسی صورت سے یہاں وارد جمع لانے کے وہ فوائد و نکات نہیں، "یہ ہو ہی نہیں سکتا"۔۔۔
ساری دنیائے اسلام و جمہور اہل حق کے اتفاق و اجماع اور تعامل کو پیش کریں گے تو
کہدے گا کہ سب کی ذہنیتیں پلٹ گئی تھیں، اس لئے اس ضلالت پر سبھوں نے اجماع
کرلیا، ۔۔۔ نیز طعن و طنز کرتے ہوئے استہزاءً کہہ گا کہ :۔

"حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے معانی کو جس طرح عکرمہ و سدی، مجاہد و مقاتل
اور قتادہ وغیرہ نے جو دساختہ من گھڑت تفسیری روایتوں سے خبط ربط
کرنے کی کوشش نامسعود کی ہے، اسی طرح کتنے راویانِ سنن نے تعامل عہد نبوی
و عہد خلفاء کو بھی خلاف واقعہ صورت میں ثابت کرنے کی برابر زبردست
جد وجہد کی اور فقہ کی کتابیں قرآن کی بنا پر بہت کم، زیادہ تر انھیں روایات
و حکایات کی بنا پر مدون ہوئیں اور حقوق و معاملات میں تو ایسے ایسے
تغیرات پیدا ہوئے کہ درحقیقت دین بالکل مسخ ہو کر رہ گیا۔" (در ثمین
منہیہ صفحہ ۲۶)

انھیں میں ایک تحدید نکاح کا معاملہ بھی ہے کہ تعامل عہد نبوی و عہد خلفاء کو خلاف واقعہ صورت
میں راویانِ سنن نے ثابت کرنے کی جد وجہد کی ہے اور اس "حق و معاملہ" میں ایسا تغیر
کر دیا کہ دین بالکل مسخ ہو کر رہ گیا، میری نگاہوں کے سامنے سے حجابات اٹھ چکے ہیں
اور ماضی کے پردے اٹھا دیئے گئے ہیں، میں سارے تعاملِ عہدِ نبوی و عہدِ خلفاء کو اپنی
آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور اس معاملہ میں مجھے علم حضوری حاصل ہے، عہد نبوی و
عہد خلفاء کے تعامل کو جاننے کے لئے میں علم حصولی اور کتب کا محتاج نہیں ہوں اور۔۔۔
عہد نبوی و عہد خلفاء کا تعامل یہ تھا ہی نہیں، تحدید نکاح کے لئے نہ فرمانِ رسول ہے
اور نہ "دور قرون مشہود لہا بالخیر" میں اس پر اجماع و اتفاق بعد والوں نے :۔

۔۔۔ "اپنے مزعومات کی اتباع کرنی چاہی نہ کہ قرآن کی"، (در ثمین صفحہ ۲۳)۔۔۔
اور یہ کہ ۔۔۔ "روایات موضوعہ نے کیسے کیسے اکابر کی ذہنیت بدل دی"
(در ثمین صفحہ ۲۹) ۔۔۔ اور اس تبدیلی ذہنیت کی بنا پر سارے ائمۂ دین و
اجلاء اسلام اور مجتہدین عظام اور تمام اہل حق نے نکاح کو چار میں محدود کرنے کی
"کوشش نامسعود" کی ہے، روایاتِ موضوعہ" اور "حکایات" طبعزاد نے ان اکابر
سے فہم و بصیرت سلب کر لی تھی اس لئے انھوں نے ۔۔۔ "قرآن کو اپنے مفروضات
کا تبع بنانا چاہا"[1] ۔۔۔ اور غیر محدود تعداد میں اس نکاح کی اجازت کی گردن پر چھری
پھیر دی جو قرآن کی نص صریح ہے ۔۔۔ "فیا حسرتاہ"، اور ۔۔۔
بات یہ ہے کہ :۔۔۔

"وہ خیالات جو بچپن سے ہمارے قلوب میں جمے ہوئے ہیں، کتابوں
میں پڑھتے رہے، لوگوں سے سنتے رہے، ان کے خلاف ہزارہا واضح
سے واضح دلائل ملیں مگر دل ہے کہ جمے ہوئے خیال سے چمٹا ہوا ہے، مگر
کچھ دنوں اور یہ مسئلہ زیر غور رہے گا اور قرآنی آیات سامنے آتی رہیں گی
اور وہ حصۂ مضمون جو روایات سے متعلق ہے، وہ بھی سامنے آجائے گا
تو پھر انشاء اللہ رشد[1] غی[1] سے متبیّن ہو جائے گا، وباللہ التوفیق
(در ثمین منہیہ صفحہ ۲۶)

پس جس جس کتاب اور جس جس نوع استدلال سے یہاں مثنیٰ و ثلاث و رباع کو تحدید کے

---

[1] در ثمین صفحہ ۲۳ [2] آپ کی مراد رشد سے بلا نکاح اپنی مملوکہ سے استمتاع کا عدم جواز۔۔۔
اور یہاں رشد سے مراد تعداد نکاح کا عدم حصر [3] غی سے آپ کی مراد بلا نکاح اپنی مملوکہ
سے اذنِ استمتاع ۔۔۔ اور یہاں غی سے مراد نکاح کی چار میں تحدید۔

واسطے ثابت کرنے کے لئے زور صرف کئے جائیں گے اور اس موقع پر جتنے علماء، فقہاء، ادباء اور مفسرین کی شہادتیں پیش کی جائیں گی، سنن وروایات جتنے قوی سانچے کے پیش کئے جائیں گے، انھیں کتب، انھیں انواعِ استدلال، انھیں اکابر سلف کی شہادتیں اور سنن وآثار اور تعاملِ عہدِ نبوی وعہدِ خلفاء کی اسیقدر قوی تصریحات کے ساتھ ساتھ سورۂ مومنون، سورۂ معارج اور سورۂ احزاب کی آیات کو اپنی مملوکہ سے بلا نکاح اذنِ استمتاع کے متعلق پیش کیا جائے گا اور وہی طرقِ استدلالی جو بذریعہ عبارۃ النص، دلالۃ النص اشارۃ النص اور اقتضاء النص اس موقع (تحدید نکاح) کے لئے استعمال کئے جائیں گے، ہم اس موقع (اپنی مملوکہ سے بلا نکاح اذن استمتاع) پر بھی ان کے اجراء کی گزارش کرینگے۔

مصنف الدر الثمین کی خدمت میں

چند گذارشات

اخیر میں یہ گزارش ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیہ کے سلسلۂ تشریح میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ـــ "اپنی لونڈیوں سے نکاح ہی کرنے کے لئے یہ آیت نص صریح ہے" (ص۲۵) ـــ اس جملہ سے آج تک کے تمام اجلۂ علمائے حق، سارے فقہاء ومحدثین اور ائمہ ومجتہدین کی ذات پر ضرب کاری لگ جاتی ہے، کہ ایک ایک کرکے سارے فقہائے عظام اور تمام محدثین کرام اور سارے علمائے حق نے نص صریح کا انکار کیا، اور منکرِ نص صریح کیا ہوتا ہے؟ اس کے اظہار پر قلم کانپ اٹھتا ہے، اسی صورت سے اکثر وبیشتر مواقع پر طعن وتشنیع کا نامحمود رویہ اختیار کرتے ہوئے ان کی نیتوں تک پر حملے کئے ہیں، وہ "رسم جاہلیت" کے پرستار، ہادمِ عمارتِ دین، حاملِ ذہنیت جاہلیہ اور مسافحت واتخاذ الاخدان کو فروغ دینے کے ذلیل مجرم نظر آتے ہیں، اور بعض جگہوں پر استہزاء کی ایسی بدترین شکل اختیار کی گئی ہے کہ ایک سنجیدہ ومعقول انسان تک کی شان کے خلاف ہے (مثلاً ص۱۶ اور ص۳۲) میرے خیال میں نہ یہ طریقۂ تبلیغ مناسب ہے اور نہ وجادلھم بالتی ھی احسن کی ہدایت دینے والا قرآن اس طریقہ کو پسند کرتا ہے، پھر یہ کہ

انھیں اکابر، انھیں علماء، انھیں فقہاء ومحدثین اور انھیں مفسرین کے یہ احسانات ہیں کہ آج ہم پر راہ تنقید کھلی ہوئی ہے، امتیاز حق وباطل کی میزان انھیں کے توسل سے ملی ہے ورنہ کون جانے آج کیا صورت رونما ہو چکی ہوتی، اور یہ انتہائی مذموم ناسپاسی ہے کہ جن سانسوں کی گرمی سے تلوار ڈھالی گئی ہو اور جن کے خونِ دل سے سینچے ہوئے مسالوں کو لیکر اسپر صیقل کیا گیا ہو انھیں پر اس تلوار کی کاٹ آزمائی جائے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، وکیل محض ہوکر نہیں اور نہ جذبۂ اسلاف پرستی میں آکر قلم اٹھایا گیا ہے، بلکہ اپنے مبلغ علم بھر، ذاتی طور سے نگاہ وفکر کی پرواز کا جہاں تک تعلق تھا کام میں لاکر واقعی جس نتیجہ پر پہونچا ہوں اُسے ضبط تحریر میں لایا ہوں۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ میں نے دیدہ ودانستہ کہیں آپ کے اس ادب واحترام کا دامن نہیں چھوڑا ہے جو میرے قلب میں آپ کی جانب سے ہے، حتیٰ کہ ان مقامات پر میں نے قلم کو بہت سنبھالنے کی سعی کی ہے، جہاں ائمۂ دین، محدثین کرام اور مقتدایانِ عظام کی ـــ جو صرف ہمارے بلکہ آپ کے بھی سلف صالحین ہیں ـــ ذاتوں اور انکی نیتوں پر بے تکان حملے کئے گئے ہیں، اور بلا وجہ بغیر کسی منشاء کے ان کے واسطے علمی سبّ وشتم تک سے دریغ نہیں کیا گیا ہے، قلب وروح نے انتہائی اذیت محسوس کی ہے، ان جملوں کو پڑھتے ہوئے، اور یہ مرحلہ میرے لئے نہایت کٹھن تھا، اور ایسے مواقع مجھ پر نہایت سخت گذرے ہیں، میں اس کا ہرگز قائل نہیں اور نہ کسی حال میں اسے روا رکھا جاسکتا ہے کہ اپنے تخیلات، اپنے استنباط اور اپنی فکر ونظر پر اتنا اذعان کر لیا جائے کہ دوسرے کی باتوں کو، جبکہ وہ کفر بواح نہیں، "شیطانی تسویلات" سے موسوم کرکے اُسے مہبطِ وحی شیطانی قرار دیدیا جائے، اور وہ بھی کیسے لوگوں کو؟ جو قائم اللیل اور صائم النہار تھے، جنکے اتقاء وخدا ترسی کی نظیر آج ڈھونڈھے سے نہیں مل سکتی، وہ اگر نہ ہوتے تو آج اسلام وقرآن پر فخر کرنے والی یہ قوم نہ ہوتی، ہم اور آپ

نہ ہوتے۔ اپنے ملفوظات اور اپنے نطق پر اس طرح کا اذعان و تیقن صرف رسول ہی کو ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے، اور اسی کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ اپنے اقوال سے اختلاف کرنے والوں کے الفاظ کو "شیطانی لفظ" سے تعبیر کرے، اس کے علاوہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں، عام ازیں کہ اس کی شخصیت کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو ——— غرض، میں نے آپ کے ادب و وقار کو بے انتہا ملحوظ رکھنے کی سعی کی ہے، لیکن پھر بھی قلم ہے، ہوسکتا ہے کہ ایرادات واعتراضات، خصوصاً آپ کے مسلمات ہی کے ذریعہ الزام قائم کرنے کے رد میں کوئی ایسا جملہ نکل گیا ہو جس میں سوءِ ادبی کا شائبہ ہو، تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ضمیمہ

الدر الثمین لملک الیمین کی تنقیحات و تنقیدات کی تکمیل کے بعد میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر معترض کی جانب آیت "ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا" اور "وازواجہ امھتھم" پیش کرتے ہوئے، نقض و ایراد کیا جائے تو اس کا ایسا مسکت جواب کیا ہوگا، جو خود معترض کے مسلمہ اصول ہی سے دیا جاسکے۔ اگرچہ الدر الثمین میں ان آیتوں سے نہ کہیں نقض کیا گیا ہے اور نہ یہ آیات کسی جگہ اعتراضاً یا اثباتاً پیش کی گئی ہیں، ویسے میرے اصول اور میری تشفی کے لئے تو فراشِ رسول ہونا بہت کافی ہے، لیکن جہاں اشتراکِ فراش کو "خود ساختہ قیاس" ٹھہرایا جاتا ہو، اگر فراش رسول کو بھی وہی درجہ دیدیا جائے، تو کیا بعید ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ اس کے لئے اسلامی بصیرت اور قرآنی تدبر میں مسلم شخصیت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جانب رجوع کروں، چنانچہ مولانائے ممدوح کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا، اس عریضہ میں بالاختصار اپنی مملوکہ سے بلا نکاح استمتاع کے مجوزین کے دلائل ذکر کرتے ہوئے، الدر الثمین کے اعتراضات و تشکیکات اور ایرادات والزامات کی روح رواں ساری بحثیں بھی مختصر طور سے لکھدیں، کہ مولانا مودودی اگر جمہور اہل حق کے مسلک کے ہم نوا ہیں تو ممکن ہے الدر الثمین کے اعتراضات و ایرادات کے ایسے جوابات بھی مل جائیں جو میرے لئے تشفی اور مزید افادیت کے موجب ہوں اور میرے علم میں اضافہ ہو، اور اگر وہ الدر الثمین کے خیالات کے مؤید ہوں تو مجوزین کے دلائل کا کوئی ایسا کمزور پہلو واضح فرمادیں، جس تک میرے ناقص فہم کی رسائی نہ ہو رہی ہو۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرا عریضہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں بھی ارسال کیا، مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کی چند سطریں دراصل وہ خشت اول ہے

جسپر الدر الثمین کی پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے، اور ہر دیکھنے والا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ انھیں چند سطروں کا دراصل وہ کوزہ ہے جس میں الدر الثمین کا دریا بند ہے اور افسوس اس امر کا ہے کہ علمائے سلف پر سبّ وشتم، اُن کی تضحیک و استہزاء اور اُن پر طعن وتشنیع کی بارشوں کے باوجود اس مسئلہ میں الدر الثمین کو "اوّلیت" کا شرف حاصل نہ ہوسکا بلکہ تفسیر ترجمان القرآن کا اس طرّہ پر پہلے ہی قبضہ ہوچکا تھا اور اس سے اختلاف کے باوجود یہ کہنے پر میں مجبور ہوں کہ اس نے بات وہی کہی تھی جو الدر الثمین کا بیان ہے مگر وقار وسنجیدگی اور حسنِ اسلوب کی پوری شان کے ساتھ، اور ایک مبلغ ومصلح کو یہی شان زیب دیتی ہے ساتھ ہی نکاح کو قاطع زنیت بناتے ہوئے، غیر محدود آزاد محصنہ ازدواج کو تحت البیدر کھنے کے جواز جیسی مکروہ ومضحکہ خیز باتوں سے اس کی زبان پاک ہے۔ اس معاملہ میں البتہ الدر الثمین کو "امتیازی حیثیت" اور "اولیت" کا شرف حاصل ہے۔

مذکورالصدر دونوں بالغ النظر فاضل شخصیتوں کے مکاتیب گرامی مندرجۂ ذیل ہیں مگر چونکہ ان سے کامل استفادہ اور کما حقّہ فہم مراد ہو نہیں سکتا، تا وقتیکہ میرے عریضے بھی سامنے نہ ہوں، اس لئے اپنے عریضوں کی نقلیں بھی درج کئے دیتا ہوں۔

مولانا مودودی سے مراسلت

نقل عریضہ:۔

....

....

(۱) اپنی ملک یمین کو بلا نکاح فراش بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت نفی اس کے کیا دلائل ہیں؟ جبکہ والذین ھم لفروجھم حافظون إلا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (سورۂ مومنون وسورۂ معارج) لا یحل لک النساء من بعد .... إلا ما ملکت

یمینک (سورۂ احزاب) اور یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک .... وما ملکت یمینک (سورۂ احزاب) موجود ہیں، اور ان آیات کے کم از کم اشارۃ النص یا اقتضاء النص کے ساتھ احادیث و آثار بھی ملائے جائیں۔

(۲) مرد وزن کے باہمی تعلقات کی مندرجۂ ذیل ہی صورتیں ہوتی ہیں:۔

(الف) احصان (زیر نکاح لے کر استمتاع)

(ب) پوشیدہ پائدار آشنائی یعنی اتخاذ الاخدان۔

(ج) علانیہ پائدار آشنائی یعنی سافحت۔

(د) اتفاقاً، یعنی زنا

پس اگر اپنی ملک یمین کو بلا نکاح فراش بنانا جائز ہے تو ظاہر ہے کہ یہ احصان ونکاح کی صف میں تو ہوگا نہیں، اور اس کے ماورا مذکورہ صورتوں میں سے جو بھی ہو، بہرحال حرام قطعی ہے، نیز یہ صورت استمتاع بغیر ابتغاء بالمال ہوگی۔ اور وہ بھی ناجائز۔ اور پھر اس میں اور متعہ میں فرق کیا ہوگا؟ کہ متعہ بھی ایک میعاد تک کا معاہدہ ہے اور اس میں بھی ایک وقت معلوم (یعنی بیع، اعتاق، یا مکاتبت) تک استمتاع ہو رہا ہے، نیز یہ صورت تو ایک طرح کی عیاشی وشہوت رانی کی ہوجاتی ہے، تعداد متعین نہیں، کسی طرح کی تحدید نہیں، حالانکہ عیاشی وشہوت پسندی نکاح تک میں ممنوع ہے اور اس کی علت وغایتِ صحیح توالد وتناسل بتائی گئی ہے، اور لطف یہ کہ ہدایہ میں بھی ایک جگہ مذکور ہے کہ فان وطی الامۃ یقصد بھا قضاء الشھوۃ دون الولد (باب العتاق) اسی کے ساتھ محصنین غیر مسافحین

.... اور محصنات غیر مسافحات پر بھی نظر رہے بالخصوص ثانی الذکر، کہ وہ ملک یمین کو تعلیم دی گئی ہے۔

(۳) لونڈی اور غلام دونوں یکساں جہاد میں قید کئے گئے، زر فدیہ کا مطالبہ دونوں سے یکساں ہے، معاشی و اقتصادی حقوق میں تساوی ہے، والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم (سورۂ نور) میں دونوں برابر کے شریک، غرض اسیری وغیرہ میں دونوں کے درجے ساوی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ لونڈی پر آقا کو کوئی فاضل حق حاصل ہو جائے؟ دوسری بات یہ کہ لا تبدین زینتھن........ او ما ملکت ایمانھن (سورۂ نور) میں عبید کو باپ بھائی وغیرہ کی صف میں محرم بنا کر عورتوں کے لئے رکھا، اور جب تک وہ آزاد نہ ہو جائیں، باہم نکاح نا جائز ٹھہرا اور مرد کے لئے اس کی مملوکہ ایسی حلال ہو جائے کہ بغیر آزاد کئے ہی نہیں، بلکہ بلا نکاح بھی فراش بن سکے، آخر یہ فرق کس بنا پر ہوگا؟

(۴) سورۂ احزاب میں ہے کہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک یمین اس حکم میں داخل نہیں، اسی طرح وازواجہ امھاتھم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک یمین کے لئے امھاتھم کی تصریح نہیں، فراش رسول اور باپ کی مدخولہا ہونا ایک قیاسی سبب نکلیں گے، اور ظاہر ہے کہ قیاس و استنباط کو حکم منصوص کا درجہ حاصل نہیں، بالخصوص جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ازواجہ امھاتھم کہکر حرمت علیکم امھاتکم پر قیاس و استنباط کے لئے نہ چھوڑا بلکہ ولا ان تنکحوا ازواجہ کی بھی تصریح کر دی، تو جس طرح

بلا نکاح جواز استمتاع کے لئے........ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم ـــــ اور .... الا ماملکت یمینک از روئے نص ارشاد ہوا ہے، اسی طرح اگر یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک یمین) بھی بعد رسول ممنوعۃ النکاح ہوتیں تو ولا ان تنکحوا ازواجہ کے بعد او ما ملکت یمینہ کہدیا جاتا، اور اگر کہا جائے کہ یہ بر بنائے واقعہ ہے، یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک یمین تھیں ہی نہیں حتیٰ کہ اس کی ضرورت تصریح پڑتی، تو، حضرۃ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک یمین تھیں؟ ـــــ نیز نفس مسئلہ میں واقعہ و عدم واقعہ کا کیا سوال؟

(۵) بلا نکاح فراش بنانے کی مثالیں عہد صحابہ، بالخصوص زمانۂ خلافت راشدہ میں ملتی ہیں یا نہیں؟ اگر ملتی ہیں تو نمونتاً دو ایک مع حوالہ تحریر فرمائیں تو بڑی ذرہ نوازی ہوگی۔

....

....

مولانا مودودی کا جواب

....

....

(۱) اس سوال کا جواب تو آپ نے خود ہی قرآن مجید سے نقل کر دیا ہے

والذین هم لفروجهم حافظون الا علیٰ ازواجهم او ماملکت ایمانهم سے ظاہر ہے کہ منکوحہ بیویوں یا لونڈیوں کے ساتھ مباشرت زنا نہیں ہے، باقی دونوں آیتیں (لا یحل لک النساء الآیہ اور یا ایها النبی انا احللنا لک الآیہ) بھی اسبات پر دلالت کرتی ہیں کہ مملوکہ غیر زوجہ ہے اور وہ بھی زوج کی طرح حلال ہے۔

(۲) یہ تعلق احصان ہی کی تعریف میں آتا ہے، اس لئے کہ جو عورت کسی شخص کی ملک یمین میں ہے، اس کا مملوکہ ہونا بھی سوسائٹی میں معلوم و معروف ہے اور اس کے لئے مالک کی اجازت کے بغیر کسی شخص سے نکاح بھی ممنوع اور از روئے قانون یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ صرف یہی ایک شخص اس کے ساتھ شہوانی تعلق کا مجاز ہے، یہی فائدہ نکاح کا بھی ہے، اب اگر وہ شخص اس عورت کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو یہ بات دوسری ہے، اور شریعت نے اس صورت کو زیادہ پسند کیا ہے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے اور حق ملک ہی کی بنا پر اس سے استمتاع کرے تو اس میں اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے ابتغاء بالمال کی اس معاملہ میں ضرورت نہیں کیونکہ وہ عورت از روئے قانون اس کی ملک ہی، متعہ اور ملک یمین سے استمتاع کا فرق تو خود آپ ہی نے واضح کر دیا ہے، متعہ میں ایک آزاد عورت سے عارضی تعلق ہی کا معاملہ طے کیا جاتا ہے، اور دوسری صورت میں عورت مرتے دم تک اس مالک کی مملوکہ ہے، الآیہ کہ وہ اسے بیچ دے یا آزاد کر دے، جس طرح سے ایک شوہر کا اپنی آزاد بیوی سے تعلق اگرچہ مستقل ہے، لیکن طلاق سے یہ تعلق نکاح کے بعد ہر وقت منقطع

ہو سکتا ہے۔

قانون میں جو گنجائشیں رکھی جاتی ہیں وہ جائز انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے رکھی جاتی ہیں اور ان کا دروازہ اس اندیشہ سے بند نہیں کیا جا سکتا کہ قانون کے منشاء کے خلاف نیتیں رکھنے والے ان سے فائدہ اٹھائیں گے، عیاشی اور شہوت رانی اگر کوئی کرنا چاہے تو نکاح ہی میں اس کے لئے گنجائش موجود ہے، چار چار نکاح کرتا جائے اور طلاق کے ذریعہ سے ان کو بدلتا جائے، اس طرح ایک شخص اپنی عمر میں سیکڑوں عورتوں سے تلذذ کر سکتا ہے، پھر کیا اس اندیشہ سے طلاق اور نکاح اور تعداد ازواج پر بھی نظر ثانی کی جائیگی؟

(۳) لونڈی اپنی فطری ساخت کی وجہ سے ایک کی ایک اور خدمت بھی انجام دینے کے قابل ہے جس کے قابل غلام نہیں ہوا اور مالک کو مملوکہ سے وہ تمام خدمات لینے کا حق ہے جو وہ از روئے فطرت و شریعت انجام دے سکتا ہو، تحول آیت (لا یبدین زینتهن الآیہ) سے آپ کا استدلال اس صورت میں صحیح ہوتا جبکہ آیت میں کہیں یہ مذکور ہوتا کہ جس طرح غلاموں کو مالکہ کے لئے کالمحارم قرار دیا گیا ہو اسی طرح لونڈی بھی آقا کے لئے کالمحرمات ہے، یہ چیز آپ آیت میں پھر تلاش کریں اگر نہ ملے تو ایک معاملہ کو دوسرے پر خواہ مخواہ قیاس نہ کریں۔

(۴) قرآن اس طرح کی قانونی زبان استعمال نہیں کرتا ہے جس طرح مفہوم مراد کے ہر پہلو کو الفاظ کی بندش میں لانے اور مفہوم غیر مراد کے ہر پہلو کو الفاظ سے خارج کرنے کے لئے اہل قانون استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ ایسی ادبی زبان میں اپنے احکام بیان کرتا ہے جس سے

مفہوم مراد کو ہر وہ شخص سمجھ لے جو عقل عام رکھتا ہو، ازواج مطہرات کے حرام ہونے کی وجہ بالکل بدیہی ہے، یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے لئے بمنزلۂ باپ ہونا، اور جن عورتوں کا آپ سے جسمانی تعلق رہ چکا ہو، ان کے ساتھ اُمت کے کسی شخص کا جسمانی تعلق آپؐ کے احترام کے خلاف ہے، یہ چیز چونکہ ہر شخص محض عقل عام سے سمجھ سکتا ہے اسلئے اتنا کہنا کافی تھا کہ آپؐ کی بیویاں امت پر حرام ہیں، کیونکہ وہ بمنزلہ ماں ہیں۔

(۵) مثالیں اس معاملہ میں بہت سی موجود ہیں، صحابۂ کرامؓ کے حالات پر آپ کوئی مستند کتاب ملاحظہ کریں، تو اس میں ان کی بیویوں کے ساتھ اُن لونڈیوں کا ذکر بھی ملے گا، جن سے انھوں نے تمتع کیا، اور ان کی اولاد کے بیان میں ملے گا کہ کون سی اولاد منکوحہ عورتوں سے تھی اور کون سی غیر منکوحہ لونڈیوں سے فقط

. . . .

. . . .

. . . .

مولانا ابوالکلام آزاد سے مراسلت

نقل عریضہ:۔

- -

- -

- -

سورۂ مومنون کی آیت والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم کا ترجمہ فرماتے ہوئے بین القوسین ماملکت ایمانھم کی تشریح یوں فرمائی گئی ہے:۔

"(یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں جو ان کے نکاح میں آگئیں)"

پھر اسی سلسلہ میں صفحہ ۵۲۰ کے اندر حسب ذیل تفسیری نوٹ ہے کہ:۔

"آیت ۷ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتحاد تناسل کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے. . . . . یہاں فرمایا، وہ زناشوئی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے ان کی بیبیاں ہوں، جو سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں، یا لونڈیاں جو ان کے نکاح میں آگئیں

چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد
کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئیں تھیں اس لئے ان کا ذکر کرنا
ناگزیر تھا،، الخ (ترجمان القرآن جلد۲)

مندرجہ بالا ارشادات پر میرا ناقص فہم مطمئن نہیں ہوتا، اپنے شبہات نہایت مختصر طور سے عرض کئے دیتا ہوں:-

(۱) ما ملکت ایمانھم سے وہی منکوحہ ازواج ہی مراد لینا، جملہ کو زائد اور غیر مفید بنا کر رکھ دیتا ہے، کیونکہ اپنی مملوکہ سے نکاح کریں تو ظاہر ہے کہ وہ مملوکہ مملوکہ رہتے ہوئے تحت النکاح نہیں رہ سکتی، لامحالہ پہلے اُسے آزاد کرنا ہوگا، اور پھر اُسے زیر عقد لانا ہوگا، اور اب اسپر ما ملکت ایمانھم صادق نہیں آسکتا۔ —— اور کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دینے کی صورت میں، وہ اپنے شوہر کی زوج ہی کہلائے گی، مملوکہ تو اپنے آقا کی ہوگی، اور اس صورت میں عدم حفاظت فروج کا حق اُس کے شوہر کو ہوگا، اس حیثیت سے کہ وہ اُسکی زوجہ ہے، نہ اس حیثیت سے کہ اپنے آقا کی وہ ملک یمین ہے۔ آیت کی رو سے ازواج یا ملک یمین کا بالذات اور بلا واسطہ تعلق اسی شخص سے ہونا چاہئے، جسے اظہار ستر کا اذن وحق ہے، ورنہ اضافی حیثیتیں تو بکثرت پیدا ہو سکتی ہیں، غرض، بہر صورت ما ملکت ایمانھم کا یہاں ذکر تحصیل حاصل رہے گا۔ اور عدم حفاظت فروج کے حکم
احادیث کے لحاظ سے اس کا تذکرہ بے سود ہی ٹھہرتا ہے، ——
نیز عطف باو کر کے بیان حکم مغائرت حقیقی کو چاہتا ہے۔

(۲) ما ملکت ایمانھم اگر باعتبار ماضی کے کہا گیا، یعنی وہ جو کسی زمانہ میں مملوکہ تھیں، اور یوں مجازی معنی کا قول کیا جائے تو اس مجاز کے لئے قرینہ کیا ہے؟ ازواج سے حقیقی معنی مراد ہے، تو اس ٹکڑے سے معنی حقیقی کیوں نہ مراد ہوگا، جبکہ قرینۂ خلاف موجود نہیں؟ نیز، جہاں جہاں ما ملکت ایمانھم —— ایمانکم وغیرہ استعمال ہوا ہے، ان تمام مقامات پر موجودہ اور بالفعل مالکیہ ہی مراد ہیں۔

(۳) اس کا ثبوت کس جگہ سے ملے گا کہ عرب کی سوسائٹی لفظ زوج کا اطلاق آزاد منکوحہ ہی پر کیا کرتی، اور وہ لونڈیاں جو زیر نکاح آگئیں وہ اپنے شوہروں کے لئے عرب کی سوسائٹی کی زبان میں ازواج کی مصداق نہ تھیں۔

(۴) عرف ومحاورہ کی پاسداری، اظہار ستر وعدم حفاظت فروج ہی کے موقع پر کیوں؟ دوسرے بہتیرے مقامات پر بیویوں کے بارے میں احکام بیان ہوئے ہیں، مثلاً والذین یرمون ازواجھم —— ولکم نصف ما ترک ازواجکم ——
فی ازواجھم ادعیائھم وغیرہ، تو، ان تمام جگہوں پر ما ملکت ایمانھم کا جملہ وقت کی سوسائٹی کی رعایت کرتے ہوئے کیوں نہ ذکر کر دیا گیا؟ منکوحہ آزاد عورتیں ازواج، اور غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی نکاح شدہ، عورتیں ما ملکت ایمانھم کی صف میں آتیں؟ کیونکہ حقیقۃً وشرعاً تو دونوں میں کوئی فرق نہیں، عرف واستعمال اور وقت کی سوسائٹی کے

محاورہ کی رعایت ہوتی جاتی، ـــــ یا ـــــ زمانۂ ماضی کی منظر کشی ایک ہی جگہ پر کیوں؟ دوسرے بہتیرے مقامات پر کیوں اسے ترک کر دیا گیا؟

(۵) حضرۃ صفیہ رضی اللہ عنہا کو جماع صحابہ اور ساری دنیائے اسلام اور زمانۂ نزول قرآن میں عرب کی زبان زوج النبیؐ ہی کہتی رہی ہے۔ حالانکہ ان پر بعد النکاح نبیؐ کی ملک یمین کا اطلاق حسب ارشاد عالی ہونا چاہئے تھا، نہ کہ زوج کا۔

....

....

مولانا آزاد کا جواب

- - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - -

عرب میں اس وقت دو طرح کی عورتیں تھیں۔

۱۔ حرائر و محصنات۔

۲۔ لونڈیاں۔

لونڈیوں کی حیثیت کو قرآن نے ہر جگہ تملیکِ ید سے ظاہر کیا ہے، چونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ذلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لئے قرآن نے زور دیا کہ جس طرح مسلمان شریف زادیوں سے نکاح کر سکتے ہیں اسی طرح ان سے بھی نکاح کر سکتے ہیں، جو تملیکِ ید کے ذریعہ غلامی میں آچکی ہیں۔

میرے ناچیز فہم میں قرآن کی یہی تفسیر عام مسلک کے مطابق معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ کسی دوسرے مسلک پر مطمئن ہیں، تو آپ وہی مسلک پیش نظر رکھیں۔ فقط

- - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - -

نہایت افسوس ہے کہ اب تک میرا فہم ناقص تفسیر ترجمان القرآن

کی مذکورہ تحریر کے صواب ہونے کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میرا عریضہ میرے مافی الضمیر کو سمجھانے سے قاصر رہا، ورنہ سوال ہے اس طرح کا بے محل جواب مولانا آزاد کی جانب سے موصول ہونا، بسا بعید ہے، یہ کون کہہ سکتا ہے کہ شریعت نے لونڈیوں سے نکاح کرسکنے کے لئے نہیں کہا ہے۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے کو جو دلیل سمجھا جاتا تھا اسی کی خاطر تو واللہ اعلم بایمانکم، بعضکم من بعض ارشاد فرمایا ہے، عرض تو یہ کرنا تھا کہ اپنی مملوکہ سے بلا نکاح استمتاع کیوں اور کس بنا پر ناجائز قرار دیا جا رہا ہو؟ یہ فرما کر کہ ـــــــ ،، قرآن کے نزدیک اتحاد تناسل کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے ،، ـــــــ جبکہ سورۂ مومنون کی مذکورۂ بالا آیت موجود ہے، اور اس آیت کی جو تفسیر فرمائی جا رہی ہو اور جو عبارت بین القوسین دی گئی ہو اُن پر یہ شبہات وارد ہوتے ہیں، ـــــــ دوسری تعجب خیز بات یہ ہے کہ مولانا اپنی تفسیر کو عام مسلک کے مطابق ارشاد فرما رہے ہیں، حالانکہ تفسیری نوٹ اور بین القوسین عبارت خود کسی دوسرے مسلک پر دال ہیں، عام مسلک تو وہ ہے جو میرے عریضہ میں کار فرما ہے۔

فہرستِ مباحث